٢٣٣٦
٢٥٨٢م

تعمیرِ حیات

ہماری صحافت کے مفسدات

آل انڈیا اردو ایڈیٹرس کانفرنس کے موقع پر ——————— اخبار نویس برادری کی خدمت میں

اخبار نویس وہ معلّم ہے جس کا مدرسہ پورا ملک ہوتا ہے ۔ اور جس کے تلامذہ میں دہقان اور مزدور سے لے کر وزراء اور صدر مملکت تک تمام بڑے اور چھوٹے شامل ہوتے ہیں۔ اخبار نویس وہ مبلغ ہے جسکی دعوت گھر گھر، دکان دکان اور دفتر دفتر گونجتی ہے ۔ اخبار نویس دنیائے سیاست کا حریف ہوتا ہے ۔ جس کی کسوٹی اصولوں کو پرکھتی اور جس کی ترازو حوادث کو تولتی رہتی ہے ۔ اخبار نویس سیاسی اختلافات سے بھری ہوئی دنیا میں عدالت کی کرسی جما کر بیٹھتا ہے اور فریضۂ قضا سرانجام دیتا ہے ——— یہ ہے صحافت کی اہمیت اور اس اہمیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر صحافت حق، عدل، خیر اور فلاح کے لئے کام کرے تو انسانیت کے لئے اس سے مفید طاقت کوئی نہیں۔ لیکن اگر صحافت میں بگاڑ آ جائے اور وہ کذب، باطل، شر اور فساد کے لئے برسرِ عمل ہو جائے تو نوعِ انسانی کے لئے اس سے زیادہ مہلک کوئی دوسری قوت نہیں ——— آپ ذرا غور فرمائیے کہ کسی شہر کا ہیلتھ ڈپارٹمنٹ خود اسباب مرض پھیلانے کی مہم شروع کر دے، اگر پولیس اور عدالت خود جرائم کے سرپرست بن جائیں تو نتائج کیا نکلیں گے۔ جو کچھ نتائج ان صورتوں میں نکلیں گے۔ عین وہی نتائج صحافت کے اختلال پذیر ہونے سے نمودار ہوتے ہیں۔ صحافت اگر آلۂ خیر ہو تو نعمتِ عظمیٰ ہے اور اگر آلۂ شر بن جائے تو لعنت کبریٰ بن جاتی ہے ——— ایک سچا اخبار نویس خالص سیاسی نقطۂ نگاہ سے حکام اور پبلک کے درمیان ایک ذریعۂ ربط بنتا ہے ۔ عوام میں بگاڑ آ جائے تو وہ انکی اصلاح کرتا ہے اور حکمراں کی طرف سے مفسدات ظہور کریں تو ان کی روک تھام بھی کرتا ہے ۔ دونوں کے درمیان ثالث بن کر فیصلہ دیتا ہے اور اگر صلح نہ ہو تو وہ اپنا فرض سمجھتا ہے کہ پورا وزن حق کے پلڑے میں ڈال دے چاہے حق حکومت کی طرف ہو یا عوام کی طرف ۔ اپنے اس موقف کے لحاظ سے درحقیقت اخبار نویس رائے عام کا "دماغ" ہوتا ہے ۔ یہ دماغ ہی اگر مختل ہو جائے تو چارہ کار کیا ہے؟ فی الواقع کوئی راہ نجات نہیں۔

یہ بات لکھتے ہوئے انتہائی دکھ ہوتا ہے کہ ہماری صحافت احساسِ ذمہ داری سے بڑی حد تک بے نیاز اور انصاف پسندی میں انتہائی کوتاہ ہے ——— کوچۂ صحافت کا بس ایک سماں ہے ۔ یہاں گذرئیے تو نہ کپڑوں کی صفائی کی خیر ہے نہ پگڑی کی سلامتی کی ضمانت ہے، نہ حواس کے بجا رہنے کا بھروسہ ہے اور نہ ذوق کی عافیت کا یقین ہے ——— ہماری صحافت کی ایک بلا بے اصولا پن ہے ۔ ہمارے اکثر اخبارات وہ ہیں جو بے اصولے پن کی کوکھ سے پیدا ہوئے ہیں۔ بے اصولے پن کی چھاتیوں سے دودھ پی کر پلے اور بے اصولے پن کی آیا نے انہیں انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا، مراد یہ کہ ایک نیا اخبار جب نکلتا ہے تو شاید ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی اصول یا مقصد کی خاطر باقاعدہ اسکیم بنا کر نکالا گیا ہے ۔ بلکہ بالعموم اخبار کاروباری نقطۂ نظر سے جاری کئے جاتے ہیں، اور ان کے لئے اگر کوئی اصول و مقصد اختیار کیا جاتا ہے تو صرف یہ سوچ کر کہ اس اصول و مقصد کے ذریعے اخبار چل جائے گا ——— اصول وہ نا کا ہے جو ایک اخبار کی تمام تحریروں کو پرو کر ایک ہار بنا تا چلا جاتا ہے ۔ اسکی وجہ سے یہ پیشین گوئی کیجا سکتی ہے کہ فلاں اخبار فلاں معاملے میں فلاں رویہ اختیار کرے گا لیکن بے اصول اخبارات کے متعلق کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس مرحلے پر کونسا موڑ مڑیں گے۔

عام طور پر اخبار نویس جس سے اختلاف کرتا ہے، سو فیصدی کرتا ہے ۔ اپنے مخالف کے قابل تعریف پہلوؤں کو وہ چھوٹے سے چھوٹا کر کے دکھاتا ہے اور قابل اعتراض پہلوؤں کو انتہائی حد تک Enlarge کرتا ہے ——— پھر وہ مخالف کی تصریحات پوری سمجھے اور شائع کئے بغیر ان کی تردید یں شائع کرتا ہے ۔ اس طرح وہ پبلک کے سامنے ہمیشہ ایک ہی رخ لاتا ہے ——— مخالفت کی مہم میں زور پیدا کرنے کے لئے وہ مخالف کی کہی ہوئی باتوں کو مسخ کرتا ہے بلکہ خود اپنی طرف سے کچھ باتیں اس کے منہ میں ڈالتا ہے ۔ پھر ان کی تردید کرتا چلا جاتا ہے ——— مخالف کی تردید دلائل کم سے کم اور جذباتیت سے زیادہ سے زیادہ کرتا ہے ۔ جانتے بوجھتے ایسے مضامین شائع کرتا ہے جن میں کھلے کھلے جھوٹے الزامات لگائے گئے ہوں ——— سب سے زیادہ خطرناک حقیقت یہ ہے کہ اختلاف کی رو میں اخبار نویس تمام اخلاقی حدود کو پھاند جاتا ہے ۔ وہ سیدھی صاف بات کرنے کے بجائے گالیوں پر اتر آتا ہے ۔ کیچڑ کے چھینٹے ڈالتا ہے، پگڑی اچھالتا ہے، نام بگاڑتا ہے ——— اخبار نویسوں میں کاروباری زاویۂ نگاہ رکھنے والوں کی جو بڑی تعداد ہے وہ حکمراں طاقت کے درباری خوشامدیوں میں بار بار شامل ہوتی ہے ۔ اور جہاں پناہ کا دل خوش کرنے کیلئے انھیں غلطیوں سے پاک اور انکے ناقدین کو قابل گردن زدنی قرار دیتی ہے ——— یہ مقام افسوس ہے کہ موجودہ جمہوری دور میں قدیم بادشاہوں کے دربار شاعروں بھانڈوں اور خوشامدی ..... مصاحبین کا منصب اور مقام صحافیوں کے حصے میں آیا ہے ! ——— بہرحال یہ صحافت کا مستقل فساد خون ہے اور اسکی اصلاح کی کوشش اگر نہ کی گئی تو یہ فسادِ خون ہماری آئندہ نسلوں کو ورثے میں ملے گا ۔ اور قوم کی قوم اخلاقی صحت کو ہمیشہ کے لئے برباد کر دے گی ———

پندرہ روزہ

تعمیر حیات لکھنؤ

سالانہ چندہ: ۸ روپئے — فی پرچہ: ۳۵ پیسے

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء

جلد (۱۱) — ۱۰ نومبر ۱۹۷۳ء — ۱۴ شوال ۱۳۹۳ھ — شمارہ (۱)

اسحاق جلیس ندوی

عربوں نے اپنے آپ کو پالیا۔

عرب اسرائیل جنگ آخرکار، کسی فیصلہ کن موڑ پر پہونچنے سے قبل ہی روک دی گئی۔ اس وقت اس علاقہ میں "نہ جنگ نہ امن" کی فضا طاری ہے۔ اور صورت حال غیر واضح اور غیر یقینی۔ اس جنگ میں کس نے کیا کھویا اور کیا پایا یہ آج ہمارا موضوع نہیں ویسے بھی اس کا تمام تر دارومدار دو بڑی طاقتوں پر ہے جنہوں نے دنیا کو تقسیم کرلیا ہے۔ لیکن حالیہ عرب اسرائیل جنگ کی ایک اہم خصوصیت جسے ہم نظر انداز نہیں کرسکتے یہ ہے کہ عربوں نے اس جنگ میں اپنے آپ کو پالیا۔ اس جنگ میں شریک ہر عرب ملک کے سربراہ، فوجی افسران، عام سپاہی، عوام و خواص سب نے اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے نعرے بلند کئے، اس سے استعانت و نصرت کی امیدیں باندھیں دعائیں کیں۔ اور تاریخ اسلام کے مشہور و جانباز شخصیتوں کا ذکر اور ان سے اپنے انتساب پر اظہار فخر کیا۔ عرب فوجیں محاذ جنگ پر تہلیل و تکبیر کے نعروں کے ساتھ پیشقدمی کرتی رہیں — ریڈیو اور ٹیلیویژن پر قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام کے مشہور معرکوں، غازیوں، مجاہدوں اور شہیدوں کے تذکرے اور اسلامی ترانے نشر ہوتے رہے۔ شام سے سعودی عرب تک پورے علاقے میں فضا بدل گئی — عرب قیادت اور عوام و خواص کی اس تبدیلی کو دنیا نے محسوس کیا — بین الاقوامی پریس اور ذرائع نشر و اشاعت پر اس کا اثر پڑا۔ ہمارے ملک کے مشہور انگریزی ہفت روزہ "السٹریٹڈ ویکلی" کے تازہ شمارہ میں عرب اسرائیل جنگ پر اندر ملہوترا کے مضمون کے ساتھ دی ہوئی چند تصویریں ہیں۔ صدر سادات کی تصویر پر لکھا ہے "Second Saladin" (صلاح الدین ثانی) نہر سویز کو عبور کرنے والی عرب فوج کی تصویر کے نیچے ان کا یہ نعرہ درج ہے "Allah is with us" (اللہ معنا) مشہور امریکی ہفت روزہ "نیوز ویک" کو عربوں کی اسلام کی طرف بازگشت سے ان کی ماضی کی تاریخ یاد آگئی اور اس نے لکھا کہ "اسرائیل نے اس بات کو فراموش کردیا کہ عرب اپنے ان اسلاف کے جانشین ہیں جنہوں نے ایک دن جزیرۃ العرب سے نکل کر نصف متمدن دنیا کو تسخیر کرلیا تھا اور اسلام اور شریعت محمدی کو پھیلایا تھا" غرض عالمی پریس میں اس تبدیلی کا خاصا ذکر رہا — خود دنیائے عرب میں "ناصری سحر" سے مسحور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اسلام کا نام لینے کو خلاف فیشن اور رجعت پسندی کی علامت سمجھتے تھے وہ اسلام اور تاریخ اسلام پر فخریہ کلمات کہنے اور لکھنے لگے ہیں۔

اس جنگ کا یہ خوش آئند پہلو ہے کہ اس میں عربوں نے اس "کھوئے ہوئے عرب" کو پالیا جو اسلام کے ساتھ ہم رنگ و ہم آہنگ ہوکر اپنی شاندار اور قابل فخر تاریخ بناگیا — عربوں کو اسلام سے الگ کر لیجئے تو وہ بلا روح جسم کے مانند رہ جائیں گے۔ گذشتہ نصف اور چوتھائی صدی کا یہ تجربہ ہے کہ عربوں کو اسلام سے کاٹ کر اور قومیت عربیہ سے جوڑ کر عرب قوم پرست قیادت نے عربوں پر ظلم کیا۔

کونسی رسوائی ہے جس سے وہ دوچار نہ ہوئے، کونسی وہ ذلت ہے جو انہیں برداشت نہ کرنی پڑی — ایک درخشاں تاریخ اور روشن ماضی کی وارث وہ قوم جو اپنے کامیاب وجود و بقا اور سربلندی و سرفرازی کیلئے ہمیشہ اسلام کا سہارا لیتی رہی — اور اسلام نے اس بادیہ نشین قوم کو دنیا کی امامت و قیادت کے اہم منصب پر فائز بھی کیا — ایک معمولی عرب سپاہی اپنی ایمانی قوت اور دعوتی جذبہ سے سرشار ہوکر وقت کے جابر بادشاہوں کے سامنے کلمۂ حق کہتا تھا — "ہم اس اعتراف کے ساتھ کہ ہم بیشمار کمزوریوں کا شکار تھے مگر ہم میں ایک نبی آیا جس نے ہمیں دین اسلام اور توحید کی دعوت دی، ہم نے اسے سچے دل سے قبول کیا — اور ہم میں حیرت انگیز انقلاب آگیا" اس قوم کا خون ہمیشہ شجر اسلام کی آبیاری سے سرفراز ہوتا رہا ہے

خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے — قبا چاہیے اس کو خون عرب سے

اور —

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن — نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

عربوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ کہنے کا حق ان ہی کو تھا —

اس قوم کو اس کے اصل مرکز اور سرچشمۂ قوت سے کاٹ کر ماضی کی قیادت نے ناقابل معافی جرم کیا ہے — اور اس جرم کی سزا اس قیادت کو یہ ملی کہ آج اسے کوئی خیر سے یاد کرنے کو تیار نہیں — کسی قابل فخر کارنامے کا ذکر نہیں بلکہ اس قیادت نے مسائل کا انبار اور ملبے کا جو ڈھیر لگا رکھا تھا اسے صاف کرنے میں برسوں بیت جائیں گے۔

حالیہ عرب اسرائیل جنگ کا دوسرا خوشگوار پہلو عربوں کا اقدام ہے — عربوں کو اپنے وقار اور عزت و آبرو کی بحالی کے لئے جو قیمت چکانی پڑتی وہ ارزاں تھی۔ جون ۱۹۶۷ء کی ہزیمت کا داغ لاکھوں عرب نوجوانوں کے خون سے دھل جاتا تب بھی یہ سودا گراں نہ تھا خدا کا شکر ہے کہ عربوں کا اقدام بحال ہوا اور عرب جوان خدا کے نام کی برکت، اسلام کے جذبۂ جہاد کی اسپرٹ سے دشمن کی اعلیٰ تربیت یافتہ فوج اور ہلاکت ترین اسلحہ کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور ان کے حوصلے کسی مرحلے پر بھی پست نہیں ہوئے — اللہ تعالیٰ کا وعدہ اپنے وفادار بندوں کے ساتھ۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ الخ شاید ان ہی موقعوں کیلئے ہے —

"اللہ تعالیٰ مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرمائے"

محاذ جنگ سے دمشق کے ایک عرب ندوی کا خط۔

(عبدالوہاب حلبی ندوی دار العلوم ندوۃ العلماء سے [illegible] فارغ ہوئے، ندوہ کے [illegible] میں عبدالوہاب الحلبی ممتاز طالب علم رہے، فراغت کے بعد اپنے وطن شام میں [illegible] ندوہ کے فکر [illegible] مقاصد اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے فکر [illegible] پر جوش مبلغ [illegible])

سیدی حفظہ اللہ و رعاہ — اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے اس سال کامیابی سے ہمکنار کیا ہے [illegible] "الشہادۃ العالیۃ" یہ ڈگری میں نے حاصل کرلی ہے، اس کا ذکر میں نے اس وقت کیا تھا جب آپ دمشق میں [illegible] تھے، یہ سب کچھ آنجناب کی دعا کا طفیل ہے، میں نے تقریباً ایک ماہ قبل ایک مفصل عریضہ ارسال کیا تھا میری دلی تمنا ہے کہ اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرمائے اور ہمارے دین کو فتح و کامرانی نصیب فرمائے۔ میں اس وقت [illegible] لشکر میں شریک ہوں جو اپنی عزیز جانوں کو اسلامی مقدسات کی بازیابی کیلئے قربان کررہے ہیں —

میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ کے فضل و کرم سے دشمن ہلاک ہورہے ہیں اور انکے جدید قسم کے جنگی طیارے بآسانی تباہ کردئیے جاتے ہیں، جناب والا یہ ایک عظیم جنگ ہے۔ ہمارے اور اسرائیل کے درمیان ایسی شدید جنگ کی مثال نہیں ملتی۔

سیدی! میں اللہ سے کامیابی یا شہادت کی امید رکھتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمادے تو میرے حق میں بہت بڑی نعمت ہوگی، اس لئے کہ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ "خداوندا! میں صرف اسلامی مقدسات کے دفاع کے لئے دشمنوں سے برسر پیکار ہوں"

آپ کا ہمنام میرا چھوٹا لڑکا "ابوالحسن محمد علی" ہے جو ابھی چار سال کا بھی نہیں ہوا ہے [illegible] اور زندہ ہے۔ میں آپ کے حوالہ کرتا ہوں اللہ سے پر امید ہوں کہ وہ اسے اسلام کا خادم اور عالم اور قرآن مجید کا حافظ بنائے اور دین حنیف میں ماہر کرے، اور وہ آپکے افکار و خیالات سے آراستہ اور اس کا مبلغ بن جائے اور آپکی خدمت کرے۔ شاید یہ میرا آخری خط ہو، اور اگر اللہ کے حکم و منشاء سے مجھے کامیابی حاصل ہوئی اور زندگی باقی رہی تو میرا یہ [illegible] کرم ہے، آنجناب میرا سلام قبول فرمائیے اور آپ اور تمام اساتذہ کرام سے عفو و درگذر اور دعا کا خواستگار ہوں۔

آپ کا شاگرد — عبدالوہاب الحلبی الندوی

قرآن مجید میں اپنی تلاش

احنف بن قیس ایک عرب سردار تھے مشہور تھا کہ اگر [illegible] کو غصہ آجاتا ہے [illegible] [illegible] نہیں کہ بجز آپ کی زیارت [illegible] بہادر ہے، علم [illegible] پر حضرت کی قوم [illegible] اور مخلص تھے۔

ایک دن کسی قاری نے یہ آیت تلاوت کی۔ "یعنی ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارا بھی تذکرہ موجود ہے تم غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔" (سورہ انبیاء)

عربی ان کی زبان تھی سنکر چونک پڑے گویا کوئی بات سمجھ میں آگئی، ہمارا تذکرہ، ذرا قرآن تو لاؤ، دیکھوں میرا کیا تذکرہ ہے، دیکھوں میں کن لوگوں کے ساتھ ہوں۔

قرآن مجید آیا، اور لوگوں کی صورتیں ان کے سامنے سے گزرنے لگیں، ایک گروہ آیا جسکی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے، "وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور راتوں کو شب میں استغفار کیا کرتے تھے اور ان کے مال میں سائل اور محروم کا حق تھا۔" (الذاریات)

پھر کچھ ایسے لوگ آئے جن کا حال یہ تھا۔ "یعنی ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں وہ لوگ اپنے رب کو پکارتے ہیں امید اور خوف سے اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں۔" (حم السجدۃ)

پھر کچھ ایسے لوگ۔ "وہ راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدے اور قیام میں لگے رہتے ہیں۔" (الفرقان)

پھر ایک قافلہ گزرا جس کی شان یہ تھی کہ "وہ خرچ کرتے ہیں فراخت میں اور تنگی میں اور غصے کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے اور اللہ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔" (آل عمران)

ابھی تھوڑا آگے نہیں بڑھ سکے تھے کہ کچھ ایسے افراد سامنے آگئے جن کا عالم یہ تھا کہ "وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو تنگی و فاقہ ہو، اور جو اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے وہ بڑا کامیاب ہے۔" (الحشر)

پھر آگے بڑھے ہی تھے کہ ایک دوسرا گروہ سامنے آیا۔ "جو بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں، اور جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور وہ نماز کی پابندی [illegible] [illegible] مشورہ سے ہوتا ہے اور ہم نے [illegible] [illegible] [illegible]"

احنف نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اس راستہ میں ان کو اور طرح طرح کے آدمی نظر آنے لگے۔ ایک مجمع ملی جس کا حال یہ تھا۔ "جب ان سے کہا جاتا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں تو تکبر کیا کرتے اور کہتے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک شاعر دیوانہ کی وجہ سے چھوڑ دیں گے۔"

اور آگے بڑھے تو کچھ لوگ ایسے ملے کہ "جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل منقبض ہوجاتے ہیں۔ اور جب اسکے سوا اوروں کا ذکر آتا ہے تو اس وقت وہ لوگ خوش ہوجاتے ہیں۔" (الزمر)

کچھ ایسے بدقسمت بھی ملے کہ جب ان سے کہا جائے گا۔ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا تو وہ جواب دیں گے، "ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے، اور نہ غریب کو کھلایا کرتے تھے اور ہم باتیں بنانے والوں کے ساتھ خود بھی مشغول ہوجاتے تھے اور ہم آخرت کا انکار کرتے تھے یہاں تک کہ موت آگئی۔" (المدثر)

احنف یہ صورتیں دیکھ کر گھبرا گئے۔ کہنے لگے خدایا! ایسے لوگوں سے تیری پناہ میں ان سے بیزار ہوں۔ اور مجھے ان سے کوئی تعلق نہیں۔

وہ اپنے متعلق نہ تو دھوکے میں تھے اور نہ ایسے گمان کر اپنے کو نیکوں اور پاکیزوں میں سمجھیں۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی دولت دی ہے۔ انکا مقام بہت بلند نہیں مگر ان کی جگہ مسلمانوں ہی میں ہے ان کو ایسی صورت کی تلاش تھی جس کو وہ اپنی کہہ سکیں۔ ان کو اپنے ایمان کا یقین بھی تھا اور اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا علم بھی۔ اور اللہ کی رحمت اور مغفرت پر بھروسہ بھی۔ ان کو اعمال پر غرور تھا نہ خدا کی رحمت سے مایوس۔ ان کو اسی صورت کی تلاش تھی اور اس کا یقین تھا کہ وہ صورت اس جامع و مکمل اس زندہ و تازہ کتاب میں ضرور ملے گی کیا ایسے خدا کے بندے نہیں ہیں جو ایمان کی دولت بھی رکھتے ہیں اپنے گناہوں اور تقصیروں پر شرمندہ بھی ہیں؟ کیا خدا کی رحمت ان کو محروم رکھے گی؟ کیا اس کتاب میں جو سارے انسانوں کے لئے ہے انکی صورت اور ان کا تذکرہ نہیں ملے گا؟ ایسا نہیں ہوسکتا۔

جو ڈھونڈتا ہے پاتا ہے، احنف کو اپنی تلاش میں کامیابی ہوئی۔ انہوں نے اللہ کی اس پاک کتاب میں خود کو ڈھونڈ نکالا۔

"اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو اپنی غلطیوں کا اقرار ہے۔ انہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ بھلے کچھ برے، اللہ سے امید ہے کہ ان کے حال پر توجہ فرماوے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔" (سورہ توبہ)

انہوں نے کہا کہ بس میں مل گیا میں نے اپنے کو پالیا۔ مجھے اپنے گناہوں کا اعتراف ہے جو مجھ سے خدا کی توفیق سے جو کچھ نیک اعمال ہوئے ان کا انکار نہیں ان کی ناقدری نہیں ناشکری نہیں، مجھے خدا کی رحمت سے ناامیدی نہیں۔

"اللہ کی رحمت سے وہی مایوس ہوسکتے ہیں جو گمراہ ہیں۔" (حجر)

ان سب سے مل کر جو صورت تیار ہوئی وہ میری صورت ہے۔ اس آیت میں میرا اور میرے جیسوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اور ان کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ قربان اپنے رب کے جس نے اپنے گنہگار بندوں کو فراموش نہیں کیا۔ حضرت احنف کی تلاش کا یہ قصہ ختم ہوگیا، حضرت احنف بھی دنیا سے چلے گئے۔ اپنے پیدا کرنے والے کے پاس پہنچ گئے مگر یہ کتاب موجود ہے اور قیامت تک رہے گی۔ قومیں اگر اس میں اپنے کو تلاش کریں گی تو پالیں گی۔ جماعتیں اور مختلف طبقے اگر اپنے کو اس آئینہ میں دیکھنا چاہیں گے تو دیکھ لیں گے۔ افراد۔ ہم اور آپ اگر خود کو تلاش کرنے نکلیں گے تو انشاء اللہ ناکام واپس نہیں ہوں گے۔ حضرت احنف نے ہم کو بھی تلاش کا ایک نمونہ دکھایا، اور قرآن پڑھنے اور اس پر غور کرنے کا صحیح طریقہ سکھا گئے۔ ہمیں اس نمونے اور تعلیم سے فائدہ اٹھاکر قرآن مجید کا مطالعہ شروع کرنا چاہیئے۔

کلام خیر الانام ﷺ — شکر کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معراج کی رات میں مجھ کو دو بھرے ہوئے پیالے دئیے گئے، ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ۔ میں نے دونوں پر نظر ڈالی، پھر دودھ لے لیا۔ جبرئیلؑ نے کہا سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے آپ کو فطرت کی ہدایت کی اگر شراب لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی اہم کام کے شروع میں الحمد للہ نہ کہے گا تو وہ کام ادھورا رہ جائے گا۔ (ابو داؤد)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے کسی بندے کے لڑکے کا انتقال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندے کے فرزند کی روح قبض کرلی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں ہاں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے تم نے میرے بندے کے لخت جگر کی روح قبض کرلی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس وقت میرے بندے نے کیا کہا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں پروردگار اس نے تیری تعریف کی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہا، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ (ترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش ہوتا ہے جو کھانا کھاتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، پانی پیتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ (مسلم)

اردو اڈیٹرس کانفرنس بہت مبارک ہے،

لیکن...

اسکو الیکشن سے بہت پہلے یا الیکشن کے بعد ہونا چاہئے تھا!

اردو کی زبان بندی کے بعد غالب ڈے، مسلم یونیورسٹی کے قتل کے بعد سرسید کا یادگاری ٹکٹ، اردو اخبارات کی حق تلفی کے بعد اردو اڈیٹرس کانفرنس — وہ باتیں ہیں جن سے مسلمانوں کے دل و دماغ میں بجا طور پر شکوک پیدا ہوتے ہیں۔

اگر ہم ذرا بھی سنجیدہ ہیں تو قول و عمل کے اس تضاد کو ختم کرنا ہوگا —

عید رمضان کا انعام، رمضان کا ثمرہ ہے۔ رمضان اور عید ایکدوسرے سے ایسے جڑے ہیں جیسے

جسم اور روح — یہ ملت ایک زندۂ جاوید ملت ہے۔ یہ ملت فن تعمیر کا کوئی نمونہ یا آثار قدیمہ نہیں — یہ ملت ایک سدابہار درخت ہے۔

دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی کی تاریخی مسجد میں عید الفطر کے موقعہ پر کی ہوئی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی درج ذیل تقریر میں مسلمانوں کی عید کے سلسلہ میں ایک نئے نقطۂ نظر کو پیش کیا گیا ہے۔ اس تقریر کو ٹیپ ریکارڈ سے ابوسحبان مونگیری متعلم ندوہ نے قلمبند کیا۔

جسے عید کہتے ہیں:- اس مہینے کا اختتام جو مجاہدہ کا مہینہ تھا، زہد عبادت کا مہینہ تھا اور اپنی خواہشات پر غلبہ اور قابو پانے کا مہینہ تھا اور نفس کی عنان روکنے کا مہینہ تھا، اور اللہ کی خوشی کے لئے اپنی خوشیوں اور خواہشوں کو قربان کرنے کا مہینہ تھا۔ اس مہینہ کا اختتام اللہ نے اس خوشی کے دن پر کیا جسے عید کہتے ہیں۔ یہ عید رمضان المبارک کے اختتام کا اعلان اور اس میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے مذاہب قوموں کے برخلاف جن میں یہ دن کھل کھیلنے، ہڑبونگ اور نفس کو آزاد چھوڑ دینے کی علامت ہوتا ہے جس میں اس کے پہلے جو ناروا ہوتے ہیں وہ روا ہو جاتے ہیں اور حدود و قیود سب پھلانگ دئے جاتے ہیں۔ اس دن کھلی چھٹی ہوتی ہے کہ آدمی اس وقت تمام قانونی اخلاقی حدود کو پھلانگ جائے اور کسی چیز کی پرواہ نہ کرے اسکے برخلاف اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ دین کا مزاج ہے ملت کا مزاج ہے اللہ تعالیٰ نے اس دن کو عید جو خوشی کا دن تھا تیس دن کے مجاہدہ کے بعد آیا تھا بجائے اسکے کہ اجازت دیدی جاتی اس میں آزادی جو چاہو کرو اور اپنی خوشی کا اظہار کرو اور مست رہو اور کسی چیز کی پرواہ نہ کرو اس میں ایک زائد عبادت اللہ تعالیٰ نے شروع فرمائی یعنی اس دن مسلمان نہا دھو کر آتا ہے اور خدا کی حضور میں دو رکعت پڑھتا ہے۔ یہ شکرانہ ہے رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کی توفیق حاصل ہونے کا۔ تو عید کا تعلق رمضان سے ایسا ہے کہ عید کو رمضان سے الگ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ عید در حقیقت ایک قدرتی پھل ہے رمضان کے درخت کا اگر رمضان کا درخت نہیں ہے اور اسکے تمام خصوصیات کے ساتھ نہیں ہے وہ درخت شاداب نہیں ہے اور اس درخت کی تمام جڑیں محفوظ نہیں ہیں تو اس درخت سے کبھی پھل پیدا نہیں ہو سکتا اور اسکے پھل کا کوئی استحقاق نہیں ہو سکتا وہ شخص جو کوئی درخت نہ لگائے، اس درخت پر ریاضت نہ کرے، محنت نہ کرے اور اسکو پانی نہ دے اس کو اس درخت کے پھل کھانے کا کوئی استحقاق نہیں ہے اور یہ اسکی خام خیالی ہے کہ بے درخت کے اسکو پھل مل جائیں گے۔

اسی قانون پر ہم چل رہے ہیں آم کا درخت لگائیے اور آم کا پھل کھائیے، خرید کر کھانا اور چیز ہے۔ آم کا درخت لگائے بغیر آپ آم نہیں کھا سکتے ہیں، آپ انگور کی کاشت کئے بغیر انگور نہیں پا سکتے۔ آپ سیب لگائے بغیر سیب نہیں توڑ سکتے، ویسے ہی رمضان کے بغیر عید کا کوئی استحقاق نہیں بالکل یہ ایک غیر قدرتی، غیر اخلاقی، غیر قانونی چیز ہے۔ عید ہے رمضان کا ثمرہ، عید ہے رمضان کا انعام، عید ہے رمضان کے درخت کا آخری شگوفہ درخت نہیں تو شگوفہ کیا اور پھل کیا اور پھل کیا۔ اس طریقے سے رمضان اور عید ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں جیسے کہ جسم اور روح ایک دوسرے سے جڑی ہوتی ہیں۔

جس طرح سے کہ پھل اور درخت جو اس کا قدرتی نشو و نما اور ارتقا ہے۔ درخت کیا ہے اور اس کا پھل کیا ہے درخت کی زندگی کا خلاصہ پھل ہے یعنی درخت کی زندگی کا مظاہرہ، پھل کیا ہے درخت کا نتیجہ اور اس کا خلاصہ اور ثمرہ۔ اگر درخت نہیں اور درخت کی شادابی نہیں اور درخت کی قوت نمو نہیں اور درخت میں [illegible]

پہونچانے اور کسی کا پیٹ بھرنے اور کسی کو خوش کرنے کی صلاحیت نہیں تو پھل بھی نہیں پیدا ہو گا۔ تو عید بغیر رمضان بالکل غیر معقول اور غیر قدرتی چیز ہے یعنی دین کی فطرت کے خلاف ہے، رمضان کی فطرت کے خلاف ہے اور انسان کی فطرت سلیم کے خلاف ہے۔ عید تو رمضان کا صلہ ہے، رمضان کا انعام ہے، رمضان کی عیدی ہے، جیسے آپ بچوں کو عیدی دیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہم کو اور آپ کو یہ عیدی دی ہے اس عید کی شکل میں۔

عید مختلف ادوار سے گذری: یہ عید کئی دوروں سے گذری ہے، ایک عید وہ تھی اصلی عید، جو ہر حیثیت سے عید تھی وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی۔ آپ کی موجودگی سے بڑھکر عید کا کوئی تحفہ نہیں۔ اس وقت صحابۂ کرام زبان حال سے کہتے ہونگے کہ "انبساط عید دیدن روئے تو — عیدگاہ ما غریبان کوئے تو" پھر حقیقی عید وہ تھی جب صبح و شام فتوحات کی خبریں آتی تھیں اور اسلام کے قلمرو میں برابر اضافہ ہو رہا تھا اور ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات کا مصداق، کوئی دن خالی نہ جاتا تھا کہ مسلمانوں کا پرچم اقبال کسی نئی جگہ پر نہ لہرائے اور مسلمانوں کا ستارۂ اقبال کسی نئے افق سے طلوع نہ ہو اس وقت کی عید کیا تھی؟ "عید آزاداں شکوہ ملک و دیں"۔

وہ بھی عید تھی اور حقیقی عید تھی، عید کی نماز پڑھنے کے لئے جب مسلمان جاتے تھے تو ایک رمضان کے ۲۹ یا ۳۰ روزوں ہی کا شکریہ نہیں ادا کرتے تھے بلکہ ان کا دل اللہ تعالیٰ کی حمد اور اسکے ترانۂ شکر سے لبریز ہوتا تھا ان کے ہر بن مو سے الحمد کی صدا آتی تھی اور جس وقت وہ الحمد للہ کہتے تھے یا عید کا ترانہ اور عید کی تکبیرات پڑھتے تھے یا عید کی حمد و تہلیل بیان کرتے تھے تو اس وقت ان کا دائرہ صرف رمضان تک ہی محدود نہیں ہوتا تھا بلکہ پوری زندگی کو حاوی تھا — زندگی کے ہر شعبے میں ان کو نئی نئی کامیابیاں نظر آتی تھیں۔ دل مسرتوں سے لبریز، دماغ اعتماد اور بلندی کے احساس سے مخمور، مخمور نہیں تو مسرور کم سے کم، سینہ ان تمام تمناؤں سے، حوصلہ مندیوں سے، مسرتوں سے، احساسات سے معمور تھا جو چپہ و راست چاروں طرف انھیں گھیرے ہوئے، وہ حقیقی عید تھی —

اس کے بعد صدیوں تک عید اسی طرح رہی، اسلام کا قافلہ بڑھتا گیا بڑھ رہا تھا اور اسلام کا سیلاب تمام حدود کو چھوڑ رہا تھا پہاڑوں کو بھی، ملکوں کو بھی، میدانوں کو بھی، وادیوں کو بھی اور مرغزاروں کو بھی اور بڑے بڑے متمدن ملکوں کو بھی اور اسلام برابر اقدام کی حالت میں تھا پیشقدمی کی حالت میں تھا اس وقت بھی یہی حالت تھی کہ "عید آزاداں شکوہ ملک و دیں" وہ بغداد کی عید ہو یا دمشق کی عید ہو یا لاہور و دہلی کی عید ہو اس وقت کی عید ان مسرتوں سے بھری ہوتی تھی اور وہ عید کی نقل نہیں تھی بلکہ وہ حقیقی عید تھی، اسکے بعد رفتہ رفتہ وہ عید آئی جسکو کہہ سکتے ہیں کہ "عید محکوماں ہجوم مومنین" یعنی اب عید کا حاصل یہ رہ گیا ہے کہ مسلمان جتنی

تعداد میں عام طور پر نہیں جمع ہوتے اتنی تعداد میں جمع ہو جائیں تو سمجھئے کہ وہ مسلمانوں کی عید ہے اور زیادہ غلام زیادہ مظلوم، بڑی تعداد میں غلام اور مظلوم اور دکھے ہوئے دل والے چوٹ کھائے ہوئے دماغ والے، بیتاب بے چین روح والے اور صدموں کو اٹھانے والے، ذلتوں کو سہنے والے اور لوگوں کے طعنے سننے والے، زیادہ تعداد میں جمع ہو جائیں یعنی وہ اگر جمعہ کی نماز میں ہیں تو اس سے کم تعداد میں جمع ہونگے اور پانچ وقت کی نماز ہے تو اس سے بھی کم تعداد میں جمع ہوں گے، یہ دکھے دل والے جہاں زیادہ تعداد میں جمع ہونگے اسکو عید کہہ لیجئے اور جس جگہ پر جمع ہو جائیں اسکو عیدگاہ کہہ لیجئے، یہ مظلوم اور یہ ذلت برداشت کرنے والے زیادہ بہتر لباس میں اور زیادہ دھوم دھام کیساتھ آئیں اس کو عید کا دن سمجھ لیجئے تو آج ہماری عید وہی ہے کہ عید کی حقیقی خوشی ناپید ہے لیکن بہرحال ایک چیز تو قیامت تک رہے گی، مسلمان نشیب و فراز سے گذرتے رہیں گے، اس ملت کے لئے اللہ کی طرف سے مقدر یہی ہے، وہ ایک زندۂ جاوید ملت ہے اسکو قیامت تک رہنا ہے، زندگی تبدیلیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔

زندگی تبدیلیوں کا نام ہے: زندگی نام ہی تبدیلیوں کا ہے تو زندہ کے لئے تو تبدیلیوں سے گذرنا ناگزیر ہے وہ زندہ نہیں جو تبدیلیوں سے نہ گذرے، نشیب و فراز سے نہ گذرے، وہ درخت شاداب درخت نہیں جسمیں بہار و خزاں نہ آئے، جس میں پت جھڑ نہ ہو، جس کی شاخیں نہ چھانٹی جائیں، اسکو کوئی دیوار کا نقش اسکو فن تعمیر کا کوئی نمونہ کہہ لیجئے اسکو آثار قدیمہ کی کوئی چیز کہہ لیجئے، لیکن درخت اسی کو کہیں گے کہ جو ان تمام مرحلوں سے گذرتا رہے، کبھی بہار آئے تو ایسی بہار آئے کہ اسکی پتی پتی مسکرا رہی ہو، اسکی رگ رگ ہنس رہی ہو اور اسکے چاروں طرف مسرتیں برس رہی ہوں اور خزاں آئے تو ایسی آئے کہ وہ پورا درخت نوحہ کناں اور مرثیہ خواں ہو۔ اور اسکو دیکھ کر لوگوں کے آنسو نکل آئیں مگر درخت وہی ہے جو بہار سے بھی گذرے اور خزاں سے بھی گذرے، یہ امت ایک سدابہار درخت ہے یہ امت کوئی فن تعمیر کا نمونہ نہیں، یہ امت کوئی تاج محل نہیں یہ امت کوئی قطب مینار نہیں جو کھڑا ہے تو کھڑا ہے تاج محل بن گیا تو بن گیا، نہیں یہ ایک درخت ہے اور درخت میں شادابی بھی آتی ہے اور خشکی بھی آتی ہے تو امت کے لئے ان تبدیلیوں سے گذرنا ناگزیر ہے لیکن ایک چیز ہے جو ناقابل تبدیلی ہے وہ اس امت کا خدا کیساتھ تعلق اس امت کا شریعت سے تعلق ہے فاتح ہو جب بھی روزہ رکھے گی مفتوح ہو جب بھی روزہ رکھے گی، قلیل ہو جب بھی روزہ رکھے گی، کثیر ہو جب بھی روزہ رکھے گی اور اگر اسکو فتح ملے گی تو اسی نماز روزہ کے راستہ سے ملے گی اور اگر ذلت اسکے نصیب میں آئے گی تو اس میں کوتاہی کرنے کے سبب آئے گی۔ اس لئے یہ تبدیلیاں اسکی خارج میں ہیں لیکن اسکے اندرون میں، ملت کے اندرون میں کوئی تبدیلی نہیں، اس کا تعلق خدا کے ساتھ ہمیشہ قائم رہے گا، اس کا تعلق اپنی شریعت کیساتھ ہمیشہ دائم رہیگا، جہاں کہیں اور جس خطۂ زمین پر یہ نماز پڑھتی ہوئی نظر آئے گی، روزہ رکھتی ہوئی نظر آئے گی، سب نہیں لیکن اسکی اتنی بڑی تعداد جو یہ ثابت کرتی ہے کہ ابھی دین زندہ ہے اور ابھی قیامت نہیں آئی اور امت نے اجتماعی انحراف اور ارتداد کا راستہ اختیار نہیں کیا

بقیہ ص۱۲

ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم سابق صدر جمہوریۂ ہند — خطوط کے آئینے میں — ایک تاریخی امانت

ماہ رمضان المبارک کے چند دن حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے وطن، دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں گذارنے کا موقع ملا۔ اس دینی و روحانی مرکز میں حضرت مولانا مدظلہ کا منتخب کتب خانہ بھی ہے جو اہل علم اور طلباء کے ذوق مطالعہ کی تسکین کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس ذخیرۂ کتب میں چند تاریخی اہمیت کی چیزیں بھی ہیں۔ ان میں اہم ترین وہ وسیع ذخیرۂ خطوط ہے جس میں حضرت مولانا مدظلہ کے نام ذاتی اور مولانا کے خاندانی خطوط جمع ہیں۔ ان خطوط میں ہر فن کے اہل کمال اور اکابر رجال شامل ہیں — اتفاقاً اس ذخیرۂ خطوط میں مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین سابق صدر جمہوریہ ہند کے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نام سات خطوط پر نظر پڑی — یہ خطوط بڑے جاندار، شگفتہ اور خلوص و محبت سے بھرے ہوئے ہیں اور ان میں ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے بعض ایسے گوشوں پر اور دینی رجحانات و جذبات پر روشنی پڑتی ہے جو اور ذرائع سے شاید مشکل ہی سے دستیاب ہو — راقم الحروف کے لئے یہ ایک اچھی یافت اور دریافت تھی۔ اس نے چاہا کہ ڈاکٹر صاحب کے احباب، مخلصین اور جن کو ڈاکٹر صاحب کی ذات سے کسی قسم کی دلچسپی ہے ان کی خدمت میں یہ تاریخی امانت توضیحی حواشی کے ساتھ پیش کر دوں۔

یہ خطوط پہلی بار "تعمیر حیات" میں شائع کئے جا رہے ہیں —

اسحاق جلیس ندوی

(۱)

دفتر شیخ الجامعہ۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ دہلی
جامعہ نگر ۱۰ رمئی ۱۹۴۴ء

تار کا پتہ: جامعہ
ٹیلیفون: ۳۵۷۰

محب محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

رخصت ہوتے وقت جو گفتگو میوات میں ایک مرکز[1] کے قیام کے متعلق ہوئی تھی اس کا سلسلہ جاری رہا۔ شیخ الحدیث[2] اور مولوی احتشام الحق صاحب سے گفتگو ہوئی پھر اتوار کے دن قریشی صاحب[3] اور ملک وزیر علی صاحب[4] کے ہمراہ نظام الدین حاضر ہوا اور مفصل گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ اگر آپ آ سکیں تو یہ کام اللہ کا نام لے کر شروع کر ہی دیا جائے۔ بس بسم اللہ کیجئے۔ ضروری یہ ہے کہ آپ چند روز کے لئے تشریف لے آئیں۔ اور ہم چند لوگ میوات چل کر بعض مقامات دیکھ لیں اور فیصلہ کریں کہ مرکز کہاں ہو۔ اسکے بعد کارروائی شروع کر دی جائے۔ قریشی صاحب نے دو سال کے جملہ مصارف اٹھانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ غالباً مولوی احتشام صاحب نے بھی آپ کو خط لکھا ہوگا۔ اولین فرصت میں اس باب میں کچھ کر ڈالئے۔ اس نیک کام کو انجام دینے کی سعادت آپ ہی سے مخصوص معلوم ہوتی ہے۔ مبارک ہو یہ

والسلام

مخلص
ذاکر حسین

[1] ڈاکٹر صاحب کو اپنے وسیع تعلیمی تجربے اور مختلف ممالک کے طویل قیام کی بنا پر اس زمانہ میں شدت سے اس ضرورت کا احساس تھا کہ کسی ایسے مقام پر جہاں کسی درجہ میں تعلیم و تربیت کا کام ہو چکا ہو اور لوگوں میں بات ماننے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہو ایسے نمونے کی ایک اسلامی بستی کی ضرورت ہے جہاں عقائد و عبادات کے ساتھ اخلاق و معاملات کی اسلامی خصوصیات اور اسلام کی تعلیمات کا زندہ اور چلتا پھرتا نمونہ دیکھا جا سکتا ہو۔ اور جہاں سے اس طرز زندگی کی بنیاد پڑے (جس کو ڈاکٹر صاحب اکثر "فلشن" کے نام سے تعبیر کرتے تھے) جو ان علاقوں سے نکل کر ملک کے دوسرے حصوں تک وسیع اور عام کی جا سکے۔ اس کے لئے ڈاکٹر صاحب کی نظر انتخاب تحصیل نوح ضلع گوڑگانواں (میوات) پر پڑی جہاں وہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور ان کی تبلیغی و اصلاحی دعوت کے کارکنوں کے ساتھ بار بار جا چکے تھے اور وہاں تبلیغی جد و جہد کے اثرات کا انہوں نے بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کام کو شروع کرنے اور اسکی نگرانی کے لئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا انتخاب کیا جن کو حضرت مولانا محمد الیاس سے خصوصی قرب اور ان کا اعتماد حاصل تھا اور وہ اکثر ان سفروں میں ان کے ساتھ رہتے تھے۔ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی اس وقت دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمت انجام دے رہے تھے — ڈاکٹر صاحب کو اس کا بھی اندازہ تھا کہ مولانا علی میاں ندوی اپنی دینی تعلیم اور مطالعہ کے ساتھ حالات حاضرہ اور جدید تقاضوں سے بھی واقف ہیں — ڈاکٹر صاحب نے اپنی یہ تجویز حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور ان کے معاون خصوصی مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی مرحوم اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ کو پیش کی اور ان حضرات نے اسکو تقریباً منظور کر لیا۔

[2] دہلی کے ایک بڑے تاجر جو مولانا محمد الیاس کے خصوصی معتقد [illegible]

[3] محمد شفیع قریشی صاحب کے رفیق و شریک اور مشہور [illegible]

[4] افسوس کہ بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر اس تجویز کو ملتوی کر دیا گیا۔

(۲)

صدر دفتر
جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ دہلی
جامعہ نگر۔ ۳ دسمبر ۱۹۴۶ء

تار کا پتہ: جامعہ
ٹیلیفون: ۳۵۷۰
نمبر ۴۵۳

محب محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ ملا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ میں نادم ہوں کہ جوبلی[1] کے زمانہ میں معروفیت کے باعث حاضری کا وقت نہ نکال سکا اور آپ نے جو زحمت جامعہ کی خاطر گوارا فرمائی اس کا شکریہ بھی ادا نہ کر پایا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ بھی آپ ہی کا کام ہے اس لئے امید ہے کہ آپ اس کوتاہی کو معاف فرمائیں گے۔

آپ کا مقالہ[2] بہت ہی اچھا تھا۔ اس پر کسی پیش لفظ کی ضرورت سچ پوچھئے تو ہے نہیں۔ آپ میری عزت افزائی چاہتے ہیں تو میں ضرور پیش لفظ لکھ دونگا۔ اس لئے نہیں کہ اس سے لوگ مقالہ کی طرف زیادہ متوجہ ہوں گے بلکہ اس لئے کہ مجھے آپ کے ساتھ شریک ہونے کا شرف حاصل ہو جائے گا۔

خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ والسلام

مخلص
ذاکر حسین

[1] ان دنوں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی گولڈن جبلی منعقد ہوئی تھی۔

[2] ڈاکٹر صاحب کی فرمائش پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے جامعہ ملیہ کی گولڈن جبلی پر ایک مقالہ پڑھا تھا جس کا عنوان تھا "عہد نبوی کا نظام تعلیم"۔ مولانا نے ڈاکٹر صاحب سے فرمائش کی تھی کہ وہ اس پر پیش لفظ لکھ دیں اور ڈاکٹر صاحب نے منظور کر لیا تھا لیکن افسوس کہ یہ مقالہ اسی افسوسناک واقعہ کی نذر ہو گیا جو ڈاکٹر صاحب کو ۱۹۴۷ء کے خونریز فسادات کے زمانہ میں کشمیر جاتے ہوئے جالندھر کے اسٹیشن پر پیش آیا تھا اور جس میں بمشکل ان کی جان بچی تھی۔

(۳)

راج بھون
پٹنہ
۱۸ اکتوبر ۱۹۵۸ء

محب محترم علی میاں۔ السلام علیکم

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کا تذکرہ جو خاکسار کو آپ ہی نے از راہ کرم بھجوایا ہے [illegible] ادا کروں۔ تذکرہ جس وقت ملا اسی وقت پڑھنا شروع کر دیا اور جب تک ختم نہ کر لیا اسے ہاتھ سے الگ نہ کیا۔ [illegible] کو بھی دیکھنے کو ملا ہے۔ اس مختصر رسالہ کو پڑھ کر ایسا لگا کہ مجھے حضرت کی خدمت میں شرف باریابی حاصل ہو گیا ہو۔ آپ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتے تھے۔ [illegible] کتاب [illegible] اور غلطی [illegible]

آپ نے صفحہ ۹۳ پر لکھا ہے کہ [illegible] سورتوں اور حصوں کا ترجمہ فرمایا جو ایک بار مخفی ابراہیمی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا تھا اور اب نایاب ہے اس کا نسخہ

ہمیں سے حاصل ہو سکتا تو بہت اچھا تھا۔ اس لئے کہ ترجمہ کے جو نمونے آپ نے دیئے ہیں ان میں بڑی مٹھاس ہے۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ ایک بار بعض حصوں کا ترجمہ صدر یار جنگ مرحوم کے کتب خانہ میں دیکھا تھا یہ خیال نہیں کہ کہیں ان کا چھپا ہوا تھا۔ شاید کچھ ترجمہ بمبئی میں دہلوی صاحب نے ہندی رسم خط میں چھپوایا تھا۔ ایسا یاد ہوتا ہے کہ اس کا پروف انہوں نے مجھے دکھایا تھا مگر مجھے اپنے حافظہ پر پورا بھروسہ نہیں رہا ہے۔ پتہ چلائیے۔

خدا کرے آپ اچھی طرح ہوں۔ اور آپ کے قلم کے فیضان اور آپ کی زندگی کے نمونہ سے ایک پراگندہ حال امت کو ذہنی اور روحانی جمعیت خاطر نصیب ہو۔ میں اندھا ہوں ان چیزوں کو کیا دیکھ سکتا ہوں، مگر لگتا ایسا ہے کہ مشیت کو آپ سے یہ کام لینا منظور ہے۔

والسلام

مخلص
ذاکر حسین

لے یہ خط تذکرہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے وصول ہونے پر لکھا گیا ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کا معمول تھا کہ وہ اپنی تمام اہم تصنیفات ڈاکٹر صاحب کو اہتمام کے ساتھ بھیجا کرتے تھے۔ اور ڈاکٹر صاحب اس پر اپنے تاثرات و خیالات کا اظہار کرتے تھے یہ خط اسی سلسلہ میں ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس زمانہ میں بہار کے گورنر تھے۔

۲ے مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم

۳ے شہاب الدین صاحب دسنوی پرنسپل صابو صدیق پالی ٹیکنک بمبئی

۴ے "من موہن کی باتیں" اس نام سے ہندی میں یہ ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

(۴)

بہار گورنر کیمپ۔ رانچی — ۵ ستمبر ۱۹۶۰ء

محب محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نوازش نامہ کئی روز ہوئے آیا تھا۔ میں دو روز کے لئے درگا پور گیا، واپسی پر انفلوئنزا میں مبتلا ہو گیا۔ بخار تیز رہا۔ کئی دن بعد دفتر میں آیا ہوں تو آپ کا نوازش نامہ ملا۔ میں ضرور مسٹر مینن کو لکھوں گا اور پنڈت جی سے زبانی کہوں گا۔ شروع نومبر میں گورنروں کی کانفرنس ہے اس میں انشاء اللہ ملاقات ہوگی۔ ابھی تو وہ شاید ہفتہ عشرہ باہر ہی رہینگے۔

کل پٹنہ جا رہا ہوں۔ مسٹر مینن کو وہیں سے لکھوں گا۔

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہو۔ والسلام

مخلص
ذاکر حسین

لے مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کو اس زمانہ میں انٹرنیشنل پاسپورٹ کے حصول کے سلسلہ میں بڑی دقت پیش آ رہی تھی اور دینے میں برابر لیت و لعل کیا جا رہا تھا۔ مولانا کو چونکہ باہر کے سفر اکثر پیش آتے ہیں۔ اسی زمانہ میں جینوا (سوئزرلینڈ) سے ایک دعوت نامہ آیا ہوا تھا مولانا نے مجبور ہو کر ڈاکٹر صاحب کو خط لکھا جو اس وقت بہار کے گورنر تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مسئلہ سے بڑی دلچسپی لی اور متعلق اشخاص سے کہنے میں دریغ نہیں کیا۔

۲ے سابق نائب وزیر خارجہ۔ ۳ے آنجہانی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو

(۵)

وائس پریسیڈنٹ
نئی دہلی — مورخہ ۵ ؍ جولائی ۱۹۶۳ء

محب محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

"تاریخ دعوت و عزیمت" کے تیسرے حصہ کا ایک نسخہ مجھے کچھ روز ہوئے ملا تھا۔ گمان یہی ہے کہ آپ نے از راہ کرم بھیجا یا بھجوایا ہوگا۔ کن کا ذکر ہے اور کس کے قلم سے؟ اچھوں کا حال سنکر اپنی برائیاں کس وضاحت سے سامنے آتی ہیں اور کیسا کیسا رلاتی ہیں! آپ کی کتاب نے بہت رُلایا۔ لیکن پھر تسکین بھی تو دی۔

خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ والسلام

مخلص
ذاکر حسین

لے مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کی مشہور تصنیف جو اردو کے علاوہ عربی اور انگریزی میں بھی شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہے۔ عربی میں "رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام" اور انگریزی میں "Saviours of Islamic spirit" کے نام سے۔

(۶)

وائس پریسیڈنٹ انڈیا
نئی دہلی — مورخہ ۱۵ ؍ جنوری ۱۹۶۴ء

محب محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

معافی چاہتا ہوں۔ بہت نادم ہوں کہ گرامی نامہ کی رسید بر وقت نہ بھیج سکا۔ امید کہ آپ معاف فرما دیں گے۔

... لے صاحب کی تجویز بہت اچھی ہے۔ غالباً اس پر عمل مشکل ہوگا۔ اور اس کا یہ مکرا کہ اخلاقی تعلیم کا کام ان سے لیا جائے شاید متعلقہ لوگوں کو اتنا بدیہی نہ معلوم ہوتا ہو جتنا شاید انھیں معلوم ہوتا ہے۔ ریلوے منسٹر صاحب سے ملاقات ہوئی تو اس خط کا ذکر ضرور کر دوں گا۔

سوانح حضرت شیخ عبدالقادر رائے پوریؒ کا جو نسخہ آپ نے از راہ ذاکر نوازی بھیجا تھا وہ ابھی کل پڑھ کر ختم کیا۔ حضرت رائے پوریؒ کا ذکر اور آپ کے قلم سے اس کتاب کا مطالعہ ایک گرانقدر تعلیمی اور تربیتی تجربہ ہے جس سے ایمان تازہ ہوتا ہے اور صالح زندگی کا ولولہ دل میں پیدا ہوتا ہے۔

آپ کے قلم سے اس زمانہ میں جو تحریریں نکلی ہیں ان سب کا یہی حال ہے۔ خدا آپ کی مساعی میں برکت دے اور اپنے بندوں کی ہدایت کا دیر تک آپ سے کام لے۔ والسلام

مخلص
ذاکر حسین

لے محکمہ ریلوے کے ایک ملازم نے ریلوے ملازمین میں اخلاقی حس اور ذمہ داری کا احساس بیدار کرنے کیلئے ایک اسکیم بنائی تھی اور انکی خواہش پر مکتوب الیہ نے وہ اسکیم ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں بھیجدی تھی اسی طرف اشارہ ہے۔

۲ے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے اپنے مرشد و مربی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیات۔

(۷)

وائس پریسیڈنٹ انڈیا۔ نئی دہلی — مورخہ ۸ ؍ اکتوبر ۱۹۶۴ء

محب مکرم علی میاں

خدا آپ کو خوش اور اچھا رکھے اور آپ کے فیوض سے ملت کو مالا مال فرمائے۔

آپ کا گرامی نامہ کئی روز ہوئے مل گیا تھا لیکن اس کے بعد ہی سفر میں چلا گیا تھا اور کل واپس آیا ہوں۔ جواب میں تاخیر کی معافی چاہتا ہوں۔ میرے پاس خطبات مدراس کا ایک نسخہ تھا لیکن نہ جانے کس دوست کے ہاتھ لگ گیا۔ آپ اگر انگریزی ترجمہ مجھے بھیجدیتے تو اس بہانہ اسے پڑھ بھی لیتا اور تعمیل ارشاد بھی کر دیتا۔ آپ کی تصنیف "مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش" مل گئی تھی اور میں نے بہت دل لگا کر اسے پڑھا۔ آپ کی دوسری تحریروں کی طرح بہت دلنشین اور موثر کتاب ہے۔ آپنے میرے کچھ نہ لکھنے پر "حسب معمول" کا جو لطیف اضافہ کر دیا ہے اس نے نادم کیا۔ میرے پاس جو کتابیں اور تحریریں آتی ہیں آپ کا کہنا سچ ہے کہ میں ان کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ جو تحریر پسند نہیں آتی اس پر اظہار خیال سے ڈرتا ہوں کہ لکھنے والے کو ناگوار ہوگا۔ جو پسند آتی ہے اس پر اظہار تحسین نہیں کرتا۔ اسلئے کہ تحسین ناشناس کے درجہ سے واقف ہوں۔ آپ کی تحریروں کے متعلق کچھ نہ کہنا اس دوسری سبب سے ہوتا ہے مگر سچ یہ ہے کہ انھیں دل سے پسند کرتا ہوں۔ کون بدنصیب نہ کرے گا۔

خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ والسلام

مخلص۔ ذاکر حسین

لے مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی شہرۂ آفاق کتاب "خطبات مدراس" کا انگریزی ترجمہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے ایک ریٹائرڈ پروفیسر سے کرایا تھا اور ڈاکٹر صاحب سے اس پر مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک مختصر مقدمہ تحریر فرمایا تھا لیکن افسوس ہے کہ بعض وجوہ کی بنا پر اسکی طباعت کی نوبت نہیں آئی۔

۲ے مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کی فکر انگیز تصنیف جس کا اردو کے علاوہ عربی میں "الصراع بین الفکرۃ الاسلامیۃ والفکرۃ الغربیۃ" اور انگریزی میں "Western civilization — Islam and Muslims" کے نام سے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

۲۳۳۶
۲۵۸۲

یادوں کے چراغ

ندویانہ زندگی کے چند روشن اوراق

ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی۔ ایم۔اے۔ پی۔ایچ۔ڈی۔ ریڈر، وکنگیشور یونیورسٹی، مدھرا

ندوہ میں جب پہلی بار داخل ہوا تو اسکی تاریخ، اسکی عظمت اور اس کے علمی و ادبی کارناموں سے پوری طرح واقف تھا۔ استاذ گرامی مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کے مشورہ سے تین برس ادارہ تعلیمات اسلام امین آباد میں رہ چکا تھا اور پھر جب وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دلی جانے لگے تو انہوں نے مجھے ندوہ میں داخل ہو جانے کا مشورہ دیا۔ میں شبلی ہوسٹل میں رہنے لگا۔

دو تین دن بعد ندوہ کی شاندار و دلکش مسجد میں ایک بزرگ قد آور، صاحب ریش دراز، گہرے ہرے رنگ میں ملبوس میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ "آپ کا پائجامہ بہت لانبا ہے" میں نے کہا کہ ہو گیا ہے فرمایا کہ خود سے کیسے ہو گیا؟ آپ نے درزی کو پائجامہ اونچا بنانے کی ہدایت نہیں کی ورنہ کیسے اتنا نیچا ہو جاتا۔ پھر ہنس کر فرمایا کہ "ندویت کے ساتھ بدویت بھی ہے" — العصا لمن عصیٰ (ڈنڈا اس کے لئے ہے جو نافرمانی کرے)۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے آج بھی میرے کانوں میں یہ الفاظ گونج رہے ہیں۔ یہ تھے مفتی محمد سعید صاحب ندوی — اس واقعہ کے بعد مفتی صاحب سے میرے بہت قریبی تعلقات ہو گئے اور وہ مجھ سے بڑی محبت و شفقت سے پیش آنے لگے۔

اس زمانہ میں ندوہ کے مہتمم دارالعلوم میں صرف ۲ ماہ بلکہ چند ماہ قیام فرماتے تھے باقی دنوں میں مفتی صاحب قائم مقام مہتمم رہتے تھے۔ ان کو میں نے دائم المرض پایا ہمیشہ کھانسی اور طبیعت خراب رہتی۔ جاڑوں میں مفتی صاحب گرم رنگین اونچا پائجامہ اور لمبا گرم کرتا پہنتے۔ چونکہ ان کا چہرہ چھوٹا تھا قد بہت لمبا اور داڑھی بھی لمبی اس لئے دیکھنے والا ان کی شخصیت سے متاثر ہوتا تھا۔ دائمی بیماری کے باعث وہ بہت دبلے اور بہت زود اشتعال ہو گئے تھے۔ ذرا سی بات پر بڑی زور سے چیختے اور ڈانٹ دیتے مگر فوراً نرمی سے گفتگو کرنے لگتے۔ شاید ان کو یہ احساس ہوتا ہو کہ غصہ ناخوشگوار چیز ہے مگر پہلے ضعف کے باعث اظہار خفگی کرتے پھر نہایت نرم ہو جاتے جیسے موم کو کسی نے پگھلا دیا ہو۔

ایک بار طبیہ کالج میں مشاعرہ تھا میں ایوب اور مسیحا[1] مشاعرہ میں گئے اور رات بھر وہاں لطف شعر و سخن سے محظوظ ہو کر صبح لوٹ کر آئے۔ نیند کے غلبہ کے باعث مفتی صاحب کے کلاس میں حاضر نہ ہو سکے۔ اس زمانہ میں وہ ہم لوگوں کو تیسیر الوصول پڑھاتے تھے۔ دوسرے دن جب ان کے گھر پہونچے تو انہوں نے بڑی زور سے چیخ کر ڈانٹا۔ میں نے کہا کہ ہم لوگ مشاعرہ میں گئے تھے اس لئے کل نہ آسکے پھر تو ان کا غصہ شباب پر آگیا مگر مسکرا کر فرمایا کہ درس کی قیمت پر مشاعرہ ٹھیک نہیں۔

مفتی صاحب بڑی بورڈنگ کے نگراں تھے اس میں ایک بنگالی طالب علم تھے انشاء اللہ بڑے برخاش و دیندار اور صاف ستھرے آدمی تھے۔ مفتی صاحب نے ان کو اعزازی امام بنا دیا اور بہت دنوں تک وہ امامت کرتے رہے۔ ایک دن بورڈنگ سے غائب پائے گئے معلوم ہوا کہ سینما دیکھنے گئے تھے۔ مفتی صاحب نے انکو خوب شرمندہ کیا پہلے ڈانٹا پھر فرمایا کہ میں نے اکثر تم کو امامت کے لئے کھڑا کیا اور تم نے میرے حسن ظن کو اس طرح دھکا پہونچایا۔

مفتی صاحب کی عادت تھی کہ اکثر نون کی آواز زیادہ نکالتے تھے۔ چونکہ بیمار رہتے تھے اس لئے کلاس بھی اکثر اپنے گھر میں لے لیتے تھے مگر طبیعت ٹھیک ہوتی تو دارالعلوم کی عمارت میں تشریف لاتے۔ گفتگو بڑی دلچسپ کرتے۔ شریعت کی پابندی کا بڑا لحاظ رکھتے۔ حتی الامکان جماعت فوت نہ ہونے پاتی۔ میں نے کبھی انکو نماز پڑھاتے نہیں دیکھا۔ وہ اکثر فرماتے کہ قرأت تو بہت سے لوگ کرتے ہیں مگر مولانا محمد اسحاق سندیلوی کی قرأت بڑی متوازن ہوتی ہے۔ نماز بہت طویل پڑھتے اور سجدہ میں خوب دیر لگاتے ہیں۔

ایک بار ہم لوگ پڑھ رہے تھے کہ مولانا عبدالماجد ندوی صاحب آ گئے جاڑوں کا زمانہ تھا نئی گرم شیروانی زیب تن تھی مفتی صاحب نے غور سے دیکھا اور فرمایا کہ میں آپ کو "صعلوک" (فقیر) سمجھتا تھا مگر آپ تو امیر زادے نکلے۔

ایک دن میں مولانا شاہ حلیم عطاؒ کی کلاس میں ملیریا کے اثر سے بیہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ مفتی سعید صاحب کھڑے ہیں فرمایا کہ آپ بالکل "مرزا پھویا" ہیں۔ اسکے بعد میں ایک ماہ کے لئے آرام کے خیال سے گھر چلا گیا۔ مفتی صاحب کو میں نے خط لکھا۔ ان کا جواب فوراً موصول ہوا انہوں نے لکھا کہ بیماری کے اس عرصہ کو نقصان تصور نہ کیجئے صحت کی دولت حاصل ہونے پر نیا عزم کیجئے اور پھر اس عرصہ کی تلافی آسانی سے ہو جائے گی۔

مفتی صاحب برسہا برس نائب مہتمم رہے مگر میں نے کبھی کسی کو ان سے شاکی نہیں پایا۔ یہ کسی شخص کی عظمت کی بڑی دلیل ہے۔ مہتمم صاحب تو ندوہ میں کم رہتے تھے انکی عدم موجودگی میں سارا اختیار انہی کے ہاتھ میں رہتا تھا مگر مفتی صاحب دانشمندی، حسن اخلاق اور محبت سے اس طرح سارا نظام چلاتے رہتے کہ نہ ناخوشگواری اور سختی کا کسی کو احساس تک نہ ہوتا اس لئے کہ مفتی صاحب کے اندر یہ عناصر تھے ہی نہیں۔ وہ حسن انتظام کا ذریعہ حسن سلوک و حسن اخلاق کو تصور کرتے تھے۔

سنا ہے کہ مفتی صاحب دور شباب میں بڑے اچھے کھلاڑی تھے بڑے پُرنشاط انسان تھے مگر جو زمانہ میں نے پایا اس میں ان کی زندگی کا دیا جھلملا رہا تھا بیماری نے حوصلے پست کر دئے تھے۔ میں جامعہ ملیہ کا طالب علم تھا جب وہ اپنے وطن چلے گئے اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ رہے نام اللہ کا۔

ذہن میں جب ندوہ کا تصور آتا ہے تو مفتی صاحب کی شخصیت نگاہوں کے سامنے مصور ہو جاتی ہے کبھی وہ مسجد کی طرف سے آتے محسوس ہوتے ہیں کبھی خفگی میں نظر آتے ہیں کبھی مسکراتے دکھائی پڑتے ہیں کبھی کتب خانہ کے وسیع و عریض ہال میں مصروف گفتگو نظر آتے ہیں اور کبھی کلاس میں مشغول درس و تدریس۔

مفتی صاحب کا اصل میدان فقہ تھا مگر انہوں نے مجھے حدیث پڑھائی اسلئے میں ان کی فقہی عظمت کا علمی اندازہ نہ کر سکا علاوہ ازیں، انتظامی و تنظیمی کاموں کی کثرت کے باعث مفتی محمد ظہور جو ان کے عزیز بھی تھے نائب مفتی بنا دئے گئے تھے اور عملاً افتاء کا کام وہی انجام دیتے تھے۔

سال کے آخر میں فارغ ہونے والے طلبہ کو الوداع کہنے کے لئے ہر سال ندوہ میں ایک بڑا جلسہ الاصلاح میں ہوتا تھا مجھے تقریر کا بڑا شوق تھا اور آخری سال تو معتمد خطابت بھی بنا دیا گیا تھا۔ مذکورہ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر طلبہ کی طرف سے میں نے تقریر ندوہ کے مقاصد پر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ندوہ خود ایک تحریک، ایک پیام اور ایک دعوت عمل ہے وہ کبھی تحریک سے جدا نہیں ہے۔ بعد میں جب مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ آج جن خیالات کا آپ نے اظہار کیا ہے یہ در اصل مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کے نظریات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

آج یہ چند سطور مفتی صاحب کی یاد میں لکھ کر مجھے بڑی مسرت محسوس ہو رہی ہے ان کی دینی غیرت قابل رشک ہے۔ انہوں نے پوری عمر ندوہ میں گذار دی۔ ان کی طلبہ سے محبت و شفقت، سنتوں کی پابندی اور عملی زندگی ہمارے لئے ایک عمدہ نمونہ پیش کرتی ہے۔ زندگی کو شرافت سے بسر کرنا، امت کی خدمت کرنا ایک بڑا کام ہے۔

مفتی محمد سعید صاحبؒ شہرت سے دور جوش خدمت سے معمور ایک منارہ نور بن کر ہمیں دعوت عمل دیتے ہیں —

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے محفل کی

> دو تین دن بعد ندوہ کی شاندار و دلکش مسجد میں ایک بزرگ قد آور، صاحب ریش دراز، گہرے ہرے رنگ میں ملبوس میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ "آپ کا پائجامہ بہت لانبا ہے؟" میں نے کہا ہو گیا ہے۔ فرمایا کہ خود سے کیسے ہو گیا؟ آپ نے درزی کو پائجامہ اونچا بنانے کی ہدایت نہیں کی ورنہ کیسے اتنا نیچا ہو جاتا۔ پھر ہنس کر فرمایا کہ "ندویت کے ساتھ بدویت بھی ہے" — یہ تھے مفتی محمد سعید صاحب ندوی۔

اس شمارے سے "تعمیر حیات" اپنی زندگی کے گیارہویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ "تعمیر حیات" آپ کا ترجمان ایک اخبار نہیں ایک تحریک —
اسکی توسیع اشاعت میں حصہ لیکر اپنی بیداری کا ثبوت دیجئے
پانچ خریدار مہیا کرنے والوں کو "تعمیر حیات" ایک سال کے لئے بلا قیمت ارسال کیا جائے گا۔

لے غالباً مسیح الدین احمد صدیقی پورا نام ہے بڑے دلچسپ اور لطیف انسان ہیں۔

مولانا محمد رابع صاحب ندوی

بعض عرب مقامات جنکے ناموں میں تبدیلی ہوئی

(ایک دلچسپ اور معلومات افزا تحقیقی مقالہ جو اسلامک اسٹڈیز کانفرنس منعقدہ دارالمصنفین اعظم گڑھ میں پڑھا گیا۔)

ایک عرب شاعر کا طرب انگیز شعر ہے ؎

ستوني وقالوا لا تغن ولو سقوا
جبال سليمى ما سقيت لغنت

اب ذرا ای دومۃ الجندل کو جنوب میں واقع جزیرۃ العرب کی پوری سطح مرتفع کو لے لیجئے جس کے خاص علاقے جبال طے، نجد اور یمامہ کے خطے رہے ہیں خاص طور پر جبال طے اور نجد جن کے شعراء نے اپنے اپنے وطنوں سے محبت کا خاصا اظہار کیا ہے اور اس سے جدائی پر خاصا اظہار جذبات کیا ہے جبال طے کا ایک شاعر کہتا ہے ؎

تعبیر بنا، یہاں کے صحرائی پودے عرار، غضا اور بان کے عربی کی قدیم جدائی شاعری میں اچھے رمز و تعبیر کی حیثیت سے استعمال ہوئے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

ألا يا صبا نجد متى هجت من نجد
لقد زادني مسراك وجدا على وجد

دوسرا کہتا ہے ؎

تمتع من شميم عرار نجد
فما بعد العشية من عرار

تیسرا کہتا ہے ؎

سلي البانة الغيناء بالاجرع الذي
به البان هل حييت اطلال دارك

لیکن یہ قدیم اصطلاح کا نجد موجودہ نجد کی سرزمین کے تقریباً ... تک محدود ہے اب تقریباً اس علاقہ تک محدود ہے جسکو موجودہ اصطلاح ...

بحرین وہ بحرین نہیں

مکتوب دمشق

یہ جنگ ہمارے ایمان میں اضافہ اور خدائی قوت پر اعتماد کا ذریعہ بن گئی۔

عوام میں دینی غیرت اور اسلامی جوش و خروش، عہد انور السادات و حافظ الاسد کی تقریریں اسلامی جھلک لئے ہوئے

(ایک ندوی فاضل قاضی محمد فاروق ندوی ... جو ان دنوں تحقیقی مقالہ کے سلسلہ میں دمشق میں مقیم ہیں اور جنہوں نے حالیہ جنگ کا بچشم خود مشاہدہ کیا، ان کا تازہ خط حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نام)

دمشق۔ سوریا

۲۸ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ

مخدومی و مکرمی مرشدی و مولائی حضرت مولانا مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

[illegible]

سید افضل الحق
متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء

مسلمانوں پر ہندو تہذیب کے اثرات

جب اسلام آیا ہے اسوقت اسلام اور ہندو دھرم کی درمیانی خلیج محض اختلافات تک محدود نہ تھی بلکہ صریح تضاد تھا۔ اسلام کا نقطۂ آغاز حق تعالیٰ کی وحدانیت و عظمت ان الحکم الا للّٰہ" اور "للّٰہ الامر من قبل ومن بعد" کی بلند و بانگ صداؤں سے ہوتا ہے اور اسی نقطے پر اسلام کے واضح اور صریح عقائد و احکام مبنی ہوتے ہیں۔

> "اسلام ایک وسیع القلب، وسیع الظرف مذہب تھا۔ اور ہندوؤں کا پست طبقہ برہمن کے ستم، پجاری کے ظلم سے تنگ آچکا تھا۔ اور اسلامی کلچر و ثقافت میں بھی مغلوں نے بڑی گنجائش رکھدی تھی۔ اسلئے ظلم وستم کا مارا ہوا طبقہ اپنے قدیم رسوم و رواج، عادات و اطوار کو لے کر اسلام میں مل گیا۔ اب آویزش کے بعد آمیزش کا قدرتی عمل شروع ہوجاتا ہے۔ نئی تہذیب جنم لیتی ہے، وہ سطح اور وہ نقطۂ اتحاد دریافت کرلیا جاتا ہے، جہاں پر دونوں تہذیبیں اپنی شخصیت و انفرادیت کو ایک دوسرے میں ضم کردیتی ہیں۔"

> مسلمان کا ایک مشرق و وسطیٰ کی تہذیب و شائستگی کے حامل، روم و اندلس کو اپنی تابانی، افریقہ و یورپ کو اپنی درخشندگی سے مطلع انوار بنانے والے تھے۔ ہندو مذہب سے سابقہ پڑا۔ دو متضاد نظریوں، دو متصادم تہذیبوں کا یہ اختلاط تاریخ عالم کا کچھ عجیب سانحہ تھا۔ نتیجۃً اختلاف آویزش کی وہ تمام شکلیں رونما ہوئیں جو تاریخ عالم کی روشنی میں ایک دوسرے سے بیزار دو تہذیبوں کے سنگم سے ہوا کرتی ہے۔

اشفاق احمد ندوی

المیہ؟ عرب فنِ تعمیر

جامع مسجد قرطبہ

> دنیا محو حیرت ہے، تاریخ کے لبوں پر مہر سکوت لگی ہوئی ہے، محقق کی تحقیق تشنہ ہے، طالب علم تاریخ کے صفحات پلٹتا ہے تو انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ یا خدایا! یہ عرب ان عمارتوں کو بنانے میں کونسا مسالہ استعمال کرتے تھے؟ لیکن اس کا تسلی بخش جواب آج تک کوئی نہ دے سکا۔ کسی نے ہمت کی تو کہہ دیا کہ سنگ مرمر کو پیس کر انڈوں کی سفیدی اور چونے میں گوندھ کر اس میں کوئی چیز ملا کر سب کا مرکب تیار کرلیا جاتا تھا۔ لیکن یہ محض ایک خیال ہے، قطعی فیصلہ نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ راز آج تک راز ہی ہے جو سرزمین اندلس سے عربوں کے زوال کے ساتھ ہی ان کے سینوں میں دفن ہوچکا ہے۔

... نے اس محل کو بنا کر اپنے فن کے جوہر دکھائے تھے اور یورپ کو یہ کہنے پر مجبور کردیا تھا کہ "دیکھنا اور سننا تو بڑی بات ہم تو یہاں تک سوچ بھی نہیں سکتے تھے"۔

قصر الحمراء

سلطنت غرناطہ کے بانی محمد الاحمر نے بہت سے علاوہ ایک شاہی محل "الحمراء" نام کا بنوایا تھا ...

۱۰ ویں صدی میں اسلامی تہذیب کو کربلائے محبت پر تڑپتے ہوئے چھوڑ دیا۔

ہندو تہذیب کے گوشے

بہر حال غوری و غزنوی کے بعد میں آنے والی نسلوں میں ایران و توران کے لہو سے زیادہ ہندوستانی خون جوش مار رہا تھا۔ عیش و عشرت، کوتاہ اندیشی و غفلت طمع دولت و سلطنت نے اسلامی تہذیب کو ہندوستانی تہذیب کی صف میں لا کر کھڑا کیا۔ تہذیب اسلام کا چہرہ مسخ اور ساخت تبدیل ہو گئی۔ ہندو گھناونے رسم و رواج عادات و اطوار نے اسلامی تہذیب پر کمند ڈالی۔ اور بہت جلد انہوں نے روح اسلامی کو پس پشت ڈال دیا۔ ہندو تیوہار قومی تیوہار بن کر سامنے آئے، دربار میں ہولی کی دھوم مچی، دیوالی نے اسلامی تہذیب کے ہوئے دیئے روشن کئے، راکھی بندھن نے اسلامی تہذیب کو منہ چڑھایا، خسرو، نظیر، اکبر اعظم، شاہ عالم، ظفر و سلیم کی شاعری میں ہندو تہذیب کا غلغلہ بلند ہوا۔

نکاح و طلاق، پیدائش و وفات، رقص و سرود، عقیقہ و ختنہ، ولیمہ و دعوت میں اسلامی تہذیب کے تحریک کی جانی کو چھین کر ہندو تہذیب کے ہاتھوں میں سونپ دیا گیا، میر خسرو کی شاعری اسکی زد میں آئی، میر حسن کا دیوان اس کی نظر ہو گیا، [illegible] کھینچا در میں پہنچا کر ترک اسلام کیا۔

عقائد و ادب: [illegible] سر سید احمد تہذیب کیا ہے؟ میں رقمطراز ہیں۔ "عقائد و ادب ہر مذہب قوم کا آئینہ دار ہوتے ہیں، اور انہی دو چیزوں کے ترازو میں تہذیب و تمدن کو تولا جا سکتا ہے۔ عقائد کے بارے میں شاہ اسماعیل شہید "تقویۃ الایمان" میں لکھتے ہیں کہ "اگر حالات حاضرہ کے مطالعہ سے یہ بات کہی جائے کہ ہندو فلسفے اور عقائد و ثقافت سے [illegible] متاثر ہوئیں۔ تو یہ صحیح ہو گا پھر بھی وہ زمانہ صوفیائے کرام تھے جنہوں نے مسلمانوں [illegible] اسلامی تصوف کی آڑ لے کر ہندو تہذیب کے [illegible] منتقل کئے۔ بدھ مذہب کے [illegible] اعمال۔ [illegible] کے حق کو اسلامی تصوف کا [illegible] مسلمانوں کے گلے میں ڈال دیا۔

ادب: ادب کا تجزیہ کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی مقالات سلیمان جلد اول [illegible] پڑھا [illegible] ہے [illegible]

[illegible]

تہذیب کی۔ دیوی کی مدح میں قصائد لکھے۔ برہما اور وشنو کو پیغمبروں کی صف میں کھڑا کیا۔

علامہ شبلی مقالات میں فرماتے ہیں کہ ادب اور عقائد میں سرعت کے اثر پڑنے کا سبب بڑا سبب یہ تھا کہ جو اسلام یا مسلمان ہندوستان پہونچے ہیں۔ ان کے قلب میں اتنا پختہ ایمان، پختہ اسلامی تہذیب ثقافت پر وہ شیفتگی اور فریفتگی نہیں تھی جس کو لے کر سلاطین عرب اندلس و ترک، افریقہ و روم و شام و مصر کی ساحلوں سے ٹکرائے تھے۔ ہندوستان میں جو نہیں پہونچا۔ اس کا راہ میں دیسیوں غیر مہذب قوموں اور بد شکل تہذیبوں سے واسطہ پڑا۔ ہندو تہذیب میں وہ اتھل پتھل کر انقلاب برپا کرنے اور نفوذ کر جانے کی اس سے آرزو ہی نہ تھی۔

ہندو تہذیب کا ایک عظیم تحفہ ایک عظیم مؤرخ کے قلم

اس اختلاط کے عظیم ترین تحفہ کی طرف صرف اب تک شہرۂ آفاق مؤرخ جناب مولانا سید ابو الحسن علی میاں ندوی کی نگاہ دور تک اٹھی ہے۔ جو انہی کے الفاظ میں:۔ "ہندو تہذیب نے ہندوستانی مسلمانوں کو مغربی تہذیب کے اثرات سے بچنے آزمائی معارضانہ حملوں کے دفاع، انفرادیت و شخصیت کو ممتاز رکھنے کی وہ طاقت عطا کی ہے جو میخانۂ مغرب کے بادہ خوار عربوں کو نہیں دی۔ وہ فکری عمق، وہ تدبر کی گہرائی بخشی ہے۔ جو اسلامی ممالک کو نہیں عطا ہوئی۔ یہ چیزیں دراصل ہندو تہذیب اور ہندو ثقافت و معاشرت ان فکری اور اجتماعی عوامل کا نتیجہ ہے جو اس ملک میں صدیوں سے کام کرتے رہے (اور اس نے اس بارے میں ایسی اسلامی ہندی تہذیب و ثقافت کی بنیاد ڈالی جس میں اسلام کی بین الاقوامی تہذیب اور ہندوستان کی مقامی تہذیب اور فلسفہ کی بیک وقت نمود ہے)

عام جائزہ سے یہ خبر آشکارا ہے کہ اسلام نے تجدد و تجدید کی کمند ڈالی تھی لیکن ہر دور کے زمانہ ساز تجدد کی وجہ سے وہ خود پابستہ زنجیر ہو کر رہ گیا۔

زوال سلطنت اور تجدیدِ دین: [illegible] ہو چکی تھی۔ سلطنت و قوم دم توڑ رہی تھی۔ سیاسی زوال آخری منزل میں تھا [illegible] لیکن دینی شعور بھی [illegible] تھا کچھ بیدار مغز انسان تجدید احیائے دین کے نئے راستے تلاش کر رہے تھے۔ وہ اس سیاسی زوال کو دینی زوال کا پیش خیمہ سمجھتے [illegible] برداشت نہیں کر سکے، ایک طرف سلطنت کا زوال، اسکا جاہ و جلال ختم ہو رہا تھا، دوسری طرف مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید و دیگر علماء [illegible] جذبہ دینی سے سرشار [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تہذیب کے [illegible] سے نکال لیتے ہیں۔ علامہ [illegible] ندوی نے حق لکھا ہے۔

"یادِ ماضی کے دیئے دل میں جلائے رکھئے"

کاغذی پھولوں سے دامن کو سجائے رکھئے
تا بہ دل کو امیدوں میں بہلائے رکھئے

یہ ستارے شبِ غم ساتھ کہاں تک دینگے
یاد ماضی کے دیئے دل میں جلائے رکھئے

قطرۂ اشک نہیں آتشِ سیّال ہے یہ
آپ دامن کو ذرا اپنے بچائے رکھئے

درد چہرے سے عیاں سب پہ ہوا جاتا ہے
راز کی طرح اسے دل میں چھپائے رکھئے

آزما کر میں ذرا دیکھ تو لوں ظرفِ نگاہ
ابھی پردہ رُخِ روشن سے اٹھائے رکھئے

آگیا تپتی ہوئی دھوپ میں جینا مجھ کو
آپ دامن کی ہوا، زلفوں کے سائے رکھئے

دل کے دروازہ پہ آہٹ سی ہوئی ہے محسوس
کس کی آواز ہے یہ کان لگائے رکھئے

پھول ہی لائقِ توقیر نہیں گلشن کے
اس کے کانٹوں کو بھی سینے سے لگائے رکھئے

جانے کس وقت قمرؔ ان کا گزر ہو جائے
دل کے زخموں کا یہ گلدان سجائے رکھئے

* ———— قمرؔ سنبھلی

"اگر ہمارے علمائے کرام اس طرف توجہ نہ کرتے۔ تو مشرقی ممالک سے سلطنت کے ساتھ اسلامی تہذیب کا جاہ و جلال بھی ختم ہو جاتا۔"

عصرِ حاضر: اس موضوع کی عصرِ حاضر سے ہم آہنگی یہ ہے کہ آج پھر ہندوستانی مسلمان جس سیکولر اور جمہوری تماشے میں سانس لے رہے ہیں وہ اُن کے لئے ابوالفضل فیضی کی دین سے کارلوں اور موشگافیوں سے زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ آج ہماری مخالف طاقتیں جمہوریت کی پُر فریب صداؤں کے سول کوڈ کے پُر مکر نعروں کی آڑ سے جدید دیوانی اور فیضی جیسے سیکولر اور مرکزی مسلمانوں کے واسطے سے ہماری اسلامی تہذیب پر شب خون مارنے کے لئے تیاریاں کر رہی ہیں اسلئے آج ہم تمام مسلمانوں کو من تو شدی او من تو شدم کی خفیہ تحریکوں سے آگاہ ہو کر ان کا سدِّ باب کرتے رہنا چاہئے۔ (بزم سلیمانی کے انعامی جلسے میں پڑھا گیا)

"تعمیرِ حیات" — آپ کو پسند ہو تو اسے ایک ایک فرد تک پہونچائیے — ناپسند ہو تو ہمیں لکھئے —

مصر کے ترقی پسند ادباء اور اہلِ قلم کا حالیہ عرب اسرائیل جنگ پر تأثر۔

"تعمیرِ حیات" نے اپنے آغاز سے عرب قومیت اور اس کا صور پھونکنے والی عرب قیادت سے اختلاف کیا ہے بالخصوص سنہ ۱۹۶۷ء کی جنگ کا اختتام عربوں کی رسواکن شکست پر ہوا "تعمیرِ حیات" نے اس ہزیمت کا ذمہ دار خدا فراموشی، اسلام گریز ناصری قیادت کو قرار دیا۔ ہمارا یہ موقف بعض حضرات کو ناگوار گذرا ۔ مگر آج عرب دنیا کے نامور ادیب اور پروگریسیو (ترقی پسند) اہلِ قلم وہی بات کہہ رہے ہیں جو ہم آٹھ دس سال سے کہتے رہے ۔ عرب اہلِ قلم برملا ناصری قیادت اور خدا بیزاری کو اپنی ذلّت و نکبت کا اہم سبب قرار دے رہے ہیں اور خدا و اسلام کا نام بھی لے رہے ہیں۔

ہمیں رسوائی اور ذلّت کے گڑھے میں ڈال رکھا تھا

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی خطائیں معاف فرمائے جن لوگوں نے ہمیں ظلم و زیادتی کر کے رسوائی اور ذلّت کے گڑھے میں ڈال رکھا تھا جس سے بڑھکر کوئی ظلم نہیں ہو سکتا۔ ہم ان لوگوں سے جنگی باتوں کا وزن مشت خاک کے برابر بھی نہیں، نصیحت سنتے تھے لیکن ہم خاموشی اختیار کر لیتے اور جو لوگ بڑے قد آور کہلاتے تھے اور چرب زبانی سے کام لیتے، ہم یہ سب دیکھ کر چپ سادھے رہتے، ہم اپنی آرزوں اور تمناؤں کو یاس و نا امیدی کے ذریعہ ختم کر دیتے، اور درخشاں مستقبل کو حال کے گڑھے میں دفن کرنے پر مجبور ہو جاتے جب تک ہم اس عالم میں رہے دشمن بجا طور پر ہم پر فتح و کامرانی سے ہمکنار ہونیکا مستحق تھا، اور سوئز کے مشرقی حصے کو جو ہمارے قدموں سے دور تو ہے لیکن ہمارے قلب جگر اور آنکھوں سے دور نہیں، چھین کر اترانے اور ہمیں آنکھیں دکھلانے کا اسکو حق تھا۔

دشمن یہ کہتے تھے کہ مصری تنزل و انحطاط اور اسرائیل تہذیب و تمدن کے مابین نہر سوئز سے زیادہ گہری مسافت واقع ہے۔ یہ سنکر ہم خاموش رہتے تھے۔ پھر دشمن نے ایک مورچہ کا اور اضافہ کیا جو مضبوط و مستحکم بارلیو لائن کے پرے پرسکون پانی پر اس نے تعمیر کیا تھا، اور یہ ایک مضبوط دیوار تھی یا بالفاظ دیگر گویا وہ جہنم کا دروازہ ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ باطنہ فیہ الرحمۃ وظاہرہ من قبلہ العذاب

اس کے ظاہری حصہ میں تو رحمت معلوم ہوتی ہے لیکن اندر عذاب کے سامان مہیا تھے۔ گویا وہ خود ہی عذاب ہے یا جہنم کا دروازہ ہے جسکے بارے میں اطالوی مشہور شاعر دانتے نے کہا ہے کہ اے داخل ہونے والو! تم کامیابی کی ہر امید کو پس پشت ڈال سکتے ہو۔

سبحان اللہ یہ چار دن فاصلے یکسر ناپید ہو گئے۔

سبحان اللہ خاک آسا ہو گئی اور بارلیو لائن کا نام بھی باقی نہیں رہا۔

سبحان اللہ یہودیوں پر خدا کی طرف سے فرض کیا جا چکا ہے کہ ان کو ہر سرزمین اور مصر سے دو بار نکال باہر کر دیا جائیگا۔ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دوسری مرتبہ موشے دایان (ملعون) کے پیچھے ۔ (انیس منصور)

جب روح بیدار ہو گی...!

مسلسل چھ سال کی سخت آزمائش کے بعد روح پھر بیدار ہو گئی۔ اس دوران میں میں نے مصریوں کو اپنی انھیں آنکھوں سے دیکھا کہ وہ زندگی گذار رہے ہیں لیکن بے کیف، ذلّت و رسوائی کی، خوشیاں ان سے رخصت ہو چکی ہیں اور مستقبل کی کوئی امید نہیں۔

دوسری طرف دشمن تھا کہ قوت کے نشے میں چور، ہم پر ظلم پر ظلم ڈھائے جا رہا تھا، آج لبنان میں معرکہ آرا ہے تو کل سوریا میں ـــ اس دوران میرے ذہن میں یہ سوال بار بار اٹھتا تھا کہ آخر کار انجام کیا ہونیوالا ہے؟ اسلئے کہ خود جنگ کے در پے ہو جانا تو محال ہے اور سپر انداز ہونا تو اور محال، خوں ریزی ہے کہ مسلسل جاری ہے۔!

پھر مصر کی روح بیدار ہوتی ہے گویا ایک معجزہ وجود میں آجاتا ہے، معجزہ! مصر غیر متوقع طور پر جاگ اٹھتا ہے، اسکی روح فوجوں کا روپ دھار کر میدان کارزار میں آجاتی ہے..... لیکن مصر کی اصل کامیابی کا راز یہ نہیں کہ اس نے فوجوں کو اچھی طرح مسلح کر دیا ہے بلکہ اس لئے کہ اس نے قانون، ڈیموکریسی اور آزادانہ اظہار خیال کے اصول کو اپنا لیا ہے ۔ اور انسان کی عظمت پر بھروسہ کر لیا ہے بس اب آگے کی راہیں کھلی ہیں۔ اب آج بھی ہمارا ہے اور کل بھی ہمارا۔! (نجیب محفوظ)

راحت کا یوم السبت

گذشتہ ۶۷ء کی جنگ کی کل مدت دشمنوں کے شمار کے مطابق چھ روز تھی۔ غالباً یہ تعداد و شمار کا اس مفروضہ کے تحت وجود ہوا کہ اسکے بعد آنیوالا ساتواں روز راحت کا یوم السبت ہوگا۔ یہ لفظی اپنے اس قومی خاصہ کی بنا پر کی گئی کہ دولت کی قیمت کم ظاہر کر کے دوسروں سے حاصل کی جائے۔ بالکل یہی [illegible] کے شمار میں بھی عمل میں لائے شاید انھیں ان چھ دنوں کے بعد اس یوم سبت کا انتظار رہا جب وہ چین کی نیند سو جائیں... حالانکہ چھٹے دن کے بعد ساتواں، آٹھواں اور نواں دن بالترتیب آتا گیا لیکن اس سب کو چھٹا دن ہی شمار کیا۔ حتیٰ کہ انکے شمار کے مطابق "چھ دن" کی یہ جنگ دنیا کے [illegible] چھ سال کا طویل [illegible]

اب عنقریب وہ دن بھی آنیوالا ہے جب انکے منتظر یوم راحت کے بجائے انھیں ایسے دن کا سامنا کرنا پڑے جیسیں وہ اپنے مظالم کے بدلے میں سخت عذاب چکھیں گے...... اس لئے کہ سمندر کی خاموشی ایک پیشانگی مدو جزر کا پیغام ہے اور انصاف تو خدا کے یہاں ہے۔

سرزمین سینا میں ڈٹے ہوئے اے ہمارے جوانو! تم خدا کی جانب سے اس پر مامور کئے گئے ہو کہ وطن کو واپس لے سکو، انشاء اللہ فتح تمہارے ساتھ ہے! (ڈاکٹر نجیب محمود)

مصر کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کریگی

گذشتہ شکست کی تعبیر ہماری حق میں سینا کو عبور کرنا تھی، مصریوں کی تاریخ خواہ کچھ بھی ہو سب سے پہلے تو قدم یہ تاکہ معلوم ہو سکے کہ مصر آج بھی وہی مصر ہے جسے دنیا نے خوابیدہ سمجھ رکھا تھا۔ آج اسکی روح بیدار ہے۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے اس پر بیداری طاری ہو گئی تو وہ اس لئے کہ پھر قیام کے لئے وہ اس سے قوت حاصل کر سکے اور دنیا کو یہ بتا سکے کہ مصر چند لمحوں میں کیا سے کیا کر سکتا ہے۔

چنانچہ اسکی خاموشی سے کسی کو خود فریبی میں مبتلا نہ ہونا چاہئے۔ ہاں ہم یہ عزم کر سکتے ہیں کہ بیداری کا لمحہ اسوقت آئی جب افسر اعلیٰ کے محض ایک اشارہ پر مصری فوجیں حرکت میں آگئیں اور انکے قدم آگے بڑھتے ہی چلے گئے۔ مصر کی تاریخ ان عظیم لمحوں کو کبھی فراموش نہ کر سکے گی بلکہ ہمیشہ اس پر فخر و ناز کرتی رہیگی۔ (توفیق حکیم)

نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریب

آج انسانیت اور انسانی قدروں کے دشمن نے ہم پر حملہ کرنے کی جرأت کی ہے۔ "المزید" کی ہوس میں ڈوبے ہوئے مجرم حرکت میں آچکے ہیں۔

لیکن اے ہمارے بہادر جوانو! تمہارے قدم بڑھتے ہی ہیں اور ہر لمحہ و ہر آن مرحوم ۶۷ء کی پوزیشن کو واپس لانے کے لئے کوشاں رہو۔

اب خدائی وعدہ پورا ہونیکا وقت آگیا ہے۔ خدا نے ہم سے وعدہ کیا ہے "نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریب" اگرچہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ معرکہ کوئی آسان نہیں بلکہ سخت ترین ہے لیکن خدا پر ہمارا ایمان ہے۔

ہمارے دل ہماری روحیں ہماری قربانیاں اور ہمارا سب کچھ تمہارے ساتھ ہے۔ (مصطفیٰ بہجت بدوی)

(عربی سے تلخیص و ترجمہ: وقار عظیم صدیقی متعلم ندوہ)

ایک نیا سنگِ بنیاد رکھئے!

ماءُ اللحم خاص

قبل از وقت بوڑھوں اور غیر صحت مند نوجوانوں کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ تازہ پھلوں قیمتی دواؤں اور بہترین غذاؤں سے جدید طریقہ پر تیار کیا جاتا ہے

دوا خانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

پچھ... ہم ہرگز اسلام سے اتنی دور جگہ بھر کر یہاں جو لوگ ہیں کہ ہے کم ان کے بارے میں یہ خیال کیا جاسکتا ہے اور کرنا چاہیے کہ ان سے روزہ رکھا ہے اور آج وہ عید کا انعام لینے یہاں آئے ہیں۔

باغی اور سرکش نہیں بلکہ گنہگار اور قصوروار، اپنے مالک کے سامنے سرجھکا کر،

اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرکے، دوگانہ شکر ادا کرکے وہ زبان حال سے زبان قال دونوں سے یہ کہہ رہے ہیں، مالک جیسا روزہ رکھنا چاہیے ہم نے ہرگز نہیں رکھا، جیسی نمازیں پڑھنی چاہیے تھیں ہم نے ہرگز نہیں پڑھیں، قبل اسکے کہ ہمارے خلاف گواہیاں گذریں ہم گواہی دینے کے لئے تیار ہیں، ہم ہاتھوں سے لکھنے کے لئے تیار ہیں اور قسم کھا کر کہنے کے لئے تیار ہیں، ما عبدناک حق عبادتک، ہم سے ہرگز روزہ نہیں رکھا گیا اور قبل اسکے کہ روزہ ہمارے خلاف گواہی دے ہم خود اقراری مجرم ہیں، ہم کہہ رہے ہیں ہم سے کوئی حق ادا نہیں ہوسکا لیکن تیرا علم تھا ہم نے کم سے کم اس قانون کو باقی رکھا کم سے کم ہم نے اس سے بغاوت نہیں کی۔ ہم مقصر ہیں، گنہگار ہیں، قصوروار ہیں لیکن باغی اور سرکش نہیں، وہ جو کسی نے خوب کہا ہے کہ ایک شخص ایک پھٹا میلا کچیلا اور جگہ جگہ سے پھٹا ہوا گیا ہوا ایسا پھٹا ہوا نوٹ لے کر جاتا ہے ایک بینک کے کاؤنٹر پر جہاں نوٹ بدلتے ہیں اور کہتا ہے یہ نوٹ بہت خراب ہوگیا ہے اسے بدل دو ——— کلرک یہ نہیں پوچھتا کہ تیرے نوٹ کی یہ گت کیوں بنائی بلکہ فوراً نیا نوٹ دیدیتا ہے، لیکن ایک شخص جاتا ہے اور وہ جا کر ٹکڑے ٹکڑے نوٹ لیکر کہتا ہے کہ لیجئے آپ کے نوٹ کی یہ اوقات ہے میری نگاہ میں اور پھاڑ دیتا ہے تو فوراً اسے پکڑ لیا جاتا ہے اور وہ باغی قرار پاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ تم نے حکومت کی توہین کی۔

تو خدایا ہم نوٹ کو پھاڑنے والے نہیں ہم میلا کچیلا نوٹ لیکر آئے ہیں تیرے حضور میں ہم اسکے متمنی ہیں کہ تو اس میلے کچیلے پھٹے پرانے نوٹ کی جگہ پر ہمیں ایک صاف نوٹ عطا فرما دے جس سے کہ تیرے بازار آخرت میں ہم سودا خرید سکیں اور وہاں ہم کاروبار کرسکیں اور وہاں سے ہم پار ہوسکیں "اولٰئک یبدل اللہ سیاٰتہم حسنات" کا کیا مطلب ہے، اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ ہم تمہارے گناہ معاف فرمادیں گے بلکہ سیئات کو حسنات سے بدل دیں گے۔ یہ نہیں کہ سو روپیہ کا نوٹ تم لائے تھے پھٹا ہوا تو کہہ دیا کہ کوئی مواخذہ نہیں۔ بلکہ ایک نوٹ چھپا ہوا جو ابھی ٹکسال سے نکلا ہے وہ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا جاتا کہ اب یہ نوٹ ہے اس نوٹ کی جگہ پر "فاولٰئک یبدل اللہ"۔ خدایا ہم ایسا ہی پھٹا ہوا نوٹ کیا ناشاد اعمال لیکر آگئے ہیں تو کریم ہے تو کتنا نواز ہے تو غفور الرحیم ہے ہمارے روزے اور انکی حقیقت ہم کو بھی معلوم ہے دنیا کو معلوم ہو یا نہ ہو کراماً کاتبین کو معلوم ہے تیرے فرشتوں کو معلوم ہے اور ان کو بھی معلوم ہو نہ ہو "میان عاشق و معشوق رمزیست۔ کراماً کاتبین را ہم خبر نیست" ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے روزے ہرگز تیرے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں ہیں، وہ تراویح جس کا ڈنکا بجا تھا جسکی ہم نے دھوم مچائی تھی اس تراویح کا حال ہم کو معلوم ہے کہ امام شروع کرنے کے بعد سے برابر ہم اس مراقبہ میں رہتے تھے کہ کب ختم کرنا ہے آج کتنا پڑھے گا اور اللہ اس کو توفیق دے کہ جلدی ختم کرے، گھنٹہ ہمارے کان لگے ہوتے قرآن کی آواز سے زیادہ گھڑی پر ہمارے کان اور ہماری نگاہیں لگی ہوتی ہیں کہ جلد ختم ہو یہ تراویح، ہم تیرے حضور میں کیا پیش کریں اسکے بعد کی جو نمازیں ہیں تو ان کا وجود ہی کتنا ہوا اور اگر ان کا وجود ہوا تو وہ وجود گندہ ہیں۔ وہ وجود عدم وجود سے بدتر، ہم تو کوئی چیز تیرے سامنے پیش نہیں کرسکتے مگر ہاں ہم وہی قصوروار ہیں، وہی ہم مفلس ہیں، وہی ہم غریب ہیں جو پھٹا ہوا نوٹ لیکر اور نوٹ بھی سو کا نہیں بلکہ ایک روپیہ کا اور اگر اس سے بھی کم کا کوئی سکہ ہوتا تو وہ نوٹ لے کر تیرے حضور آئے ہیں، اب تیرے کریم دربار سے امید ہے کہ تو ہم کو اسکے بجائے ایک اجلا ایک چمکدار محمدی ٹکسال سے نکلا ہوا نوٹ اپنی کریم درگاہ سے نکلا ہوا نوٹ تو ہمارے ہاتھ میں رکھ دیگا اور کہے گا کہ آج سے یہ تمہارا نوٹ ہے اس نوٹ کو بھول جاؤ ہم نے بھی محو کردیا اسکو اور تم بھی اپنے حافظے سے اسکی یاد محو کردو، شرمندگی کی بالکل ضرورت نہیں بس یہی عید کا مطلب ہے تم خدا کے سامنے وہی اپنی نمازیں اور روزے لے کر آئے اور آج ہمیں یہ جرأت ہوئی کہ ہم اس کے سامنے آئیں اور شکر ادا کریں، شکر کس بات کا، شکر ہوتا ہے نعمت کا کیا ہم نے اس نعمت کی قدر کی لیکن اسی نے کہا کہ جیسے بھی تم روزے رکھو ہمارا قانون پورا کردو تم کو حق ہے کہ تم عید کے دن آؤ اور پھر بھی حق نہیں بلکہ تم اچھے کپڑے پہن کر آؤ، غسل کرکے آؤ، یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ غلاموں کی علامتیں لگا کر کے اور سیاہ پوش ہوکر کے ہم آتے کہ ہمارے روزے سیاہ پوش تھے ہماری نمازیں سیاہ پوش تھیں، ہمارا نامۂ اعمال سیاہ پوش تھا تو ہم سیاہ پوش ہوکر آتے۔

کریم کا احسان: لیکن اس کریم نے ہم کو اجازت دی کہ نہیں اچھے کپڑے پہن کر آؤ عطر و خوشبو لگا کر آؤ، ایک دوسرے کو مبارکباد دو اور آکر دوگانہ شکر ادا کرو کہ دنیا یہ سمجھے کہ تم سے بہتر کسی نے روزے نہیں رکھے، اور تم سے بہتر نمازیں کسی نے نہیں پڑھیں تو یہ اس کا کرم ہے محض ہم تو اس کی چیز کو بگاڑتے ہیں اور وہ ہمیں بناتا ہے، ہم اس کو عیب دار کرتے ہیں اور وہ ہمیں سنوارتا ہے۔ ہمارا یہ معاملہ اس کی ہر نعمت کے ساتھ ہی ہے پھل کھاتے ہیں خراب کردیتے ہیں، کپڑا پہنتے ہیں اور میلا کردیتے ہیں، لطیف غذائیں ہم کھاتے ہیں اور وہ دیکھنے کے قابل نہیں رہتیں کہ آدمی اسکے پاس سے نہیں گذر سکتا اور اسی سے ملتا جلتا معاملہ ہمارا اسکے احکام اور فرائض اور عبادات کے ساتھ بھی ہے، اس کے باوجود وہ ہمیں رزق دے رہا ہے وہ ہم پر عنایت کی نگاہیں کررہا ہے تو ہم اسی کے حکم سے اور اسی کے دیئے ہوئے حوصلے سے یہاں آئے ہیں ورنہ ہم کیا اور ہمارا حوصلہ کیا۔ ہم نے کیا روزے رکھے، کیا نمازیں پڑھیں، لیکن ہم وہی نمازیں لے کر اس کے حضور آئے ہیں۔ اور دو رکعات کا اضافہ کرتے ہیں اگر ہمیں یہ جواب ملنا عجب ہے آواز آتی کہ ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی
کہ بر آسمان نیز پرداختی

تم نے فرض ہی کونسے اچھے پڑھے تھے کہ دوگانہ شکر ادا کرنے آئے ہیں لیکن وہ کریم کہتا ہے فاولٰئک یبدل اللہ سیاٰتہم حسنات وکان اللہ غفوراً رحیماً۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

ترجمہ و تلخیص: ——— ابوسحبان قدسی (متعلم ندوہ)

اسرائیل نے اس بات کو فراموش کردیا کہ عرب فوجی اپنے ان اسلاف کے جانشین ہیں جنہوں نے جزیرۃ العرب سے نکل کر نصف دنیا کو فتح کرلیا تھا۔ "امریکی رسالہ نیوز ویک"

"مشہور امریکی ہفت روزہ News Week نے لکھا ہے کہ اسرائیل نے اس بات کو سرے سے فراموش کردیا کہ عرب فوجی ان عرب اسلاف کے جانشین ہیں جنہوں نے اسلام اور شریعت محمدیہ کے لئے جزیرۃ العرب سے نکل کر نصف دنیا کو زیر نگیں کرلیا تھا۔

اخبار نے کہا (اور یہ اخبار عرب دشمنی میں مشہور ہے) کہ مشرق وسطیٰ میں مصر و اسرائیل کے مابین چھڑنے والی جنگ نے دونوں ہی ... تصورات کو شکست ... کردیا۔

اخبار نے مزید کہا کہ اسرائیل کو اپنی جس خبر رسانی پر ناز تھا مگر وہ ناکام رہی۔ اور اسرائیل اس مرتبہ پیش قدمی نہ کرسکا۔ دوسرا سبب اسرائیل کا تکبر و ناز اور غلط خود اعتمادی۔

اسرائیل نے ۱۹۶۷ء کی جنگ میں کامیابی کے بعد عربوں کے متعلق خواب و افسانہ کی ایک عمارت تعمیر کی تھی کہ عربوں کے اندر لڑنے کی طاقت نہیں ہے لیکن چھ دنوں کی جنگ میں کامیابی کے تکبر نے اس بات کو بھلا دیا کہ عرب ان اسلاف کے جانشین ہیں جنہوں نے ایک دن جزیرۃ العرب سے نکل کر نصف متمدن دنیا کو فتح کرلیا تھا اور اپنی طاقت کا سکہ بٹھا دیا اور اس دین کو جس کی صدا حضور اکرم ﷺ نے لگائی تھی پوری دنیا میں پھیلایا۔

اسرائیلی ہوا باز کا تصور کہ وہ اپنی زندگی میں ایک بھی میدان نہیں ہارا غلط ثابت ہوا اسرائیل کا یہ تصور کہ وہ چشم زدن میں ایک اشارہ پر کسی دار السلطنت پر قبضہ کرنے پر قادر ہے شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ عربوں نے اسرائیل کے بارے میں Superman کا تصور خاک میں ملادیا۔

اخبار نے ایک لبنانی باشندہ کا اقتباس نقل کیا ہے جس میں اس نے کہا کہ "اس جنگ کے نتائج خواہ کیسے ہی ہوں لیکن ہم اس دشمن جس پر قابو پانا اور غالب آنا بہت مشکل کام تھا اسکے خواب کو چکنا چور کردیا یہاں تک کہ اگر ہمکو اس مرتبہ شکست بھی کھانی پڑی تب بھی یہ شکست دائمی شکست ہوگی۔

نیز اخبار نے کہا کہ مصری فوج کا بارلیف لائن کو پار کرلینا ایک ناممکن اور محیر العقول کارنامہ ہے، اور یہ لائن ماجینو لائن کی طرح مستحکم ہے جس کو فرانس نے جرمن دشمن کے سد باب کے لئے بنایا تھا۔

اسرائیل کا اس جنگ میں سب سے بڑا انکشاف عرب پیدل فوج کی بہادری تھی۔ ایک اسرائیلی افسر نے اخبار سے کہا کہ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں عرب ایک ایسی فوج تھی جو اپنے اسلحہ پھینک کر دشمن سے جان بچا کر بھاگتی تھی لیکن اس مرتبہ وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے اور دشمن کا مقابلہ خوب ڈٹ کر کرتے رہے۔

"نیوز ویک" نے فوجی ماہروں کا قول نقل کیا ہے کہ اسرائیل کو چاہیئے کہ وہ طویل جنگ سے بچے اور یہ فیصلہ کرے کہ صحرا اور پہاڑوں کی مختصر زمین پر اسے اپنے ہزاروں سپوتوں کو قربان کرنا پڑے گا۔ اور یہ سودا اسے مہنگا پڑے گا۔!!

محقق و مرتب: مولانا ابراہیم عمادی ندوی

مسلمان اور سائنس

مسلم دور کی رصدگاہیں

فنی علمی تحقیقے اور دریافتوں کا دور

۱۔ رصدگاہ مامونی — قائم کردہ: مامون الرشید — مقام: شماسیہ (بغداد)
— ۲۱۲ھ / ۸۲۷ء — مشاہدین: حکیم یحییٰ منصور، عباس بن سعید الجوہری، احمد کثیر فرغانی، علی بن عیسیٰ اصطرلابی، خالد بن عبدالملک المروزی، سند بن علی وغیرہم

۲۔ رصدگاہ مامونی — قائم کردہ: مامون الرشید — مقام: قاسیون (شام)
— ۲۱۴ھ / ۸۲۹ء — مشاہدین: حکیم یحییٰ بن منصور، خالد بن عبدالملک المروزی وغیرہم

۳۔ رصدگاہ بنو شاکر — قائم کردہ: محمد بن موسیٰ شاکر — مقام: بغداد
— ۲۴۸ھ / ۸۶۲ء — مشاہدین: محمد بن موسیٰ شاکر، ثابت بن قرہ حرانی، ابوالحسن علی بن سہل طبری، محمد بن جابر البتانی وغیرہم

۴۔ رصدگاہ فاطمی — قائم کردہ: حاکم بامراللہ — مقام: کوہ مقطم (قاہرہ)
— ۴۱۱ھ / ۹۵۳ء — مشاہدین: ابن یونس صوفی، حسن ابن الہیثم وغیرہم

۵۔ رصدگاہ علاء الدولہ — قائم کردہ: علاء الدولہ — مقام: اصفہان
— ۴۲۰ھ / ۹۶۴ء — مشاہدین: شیخ بو علی سینا، ابو عبیدہ وغیرہم

۶۔ رصدگاہ مسعودی — قائم کردہ: مسعود شاہ — مقام: غزنی
— ۴۲۱ھ / ۹۶۵ء — مشاہدین: ابوریحان البیرونی وغیرہم

۷۔ رصدگاہ رے — قائم کردہ: — مقام: رے (ایران)
— ۴۳۹ھ / ۹۸۰ء — مشاہدین: حامد بن الخضر الخجندی، ابن الحسین، عبدالرحمٰن صوفی وغیرہم

۸۔ رصدگاہ شرف الدولہ — قائم کردہ: شرف الدولہ — مقام: بغداد
— ۴۴۵ھ / ۹۸۷ء — مشاہدین: احمد بن محمد صغانی، ابوالحسن الغزلی، محمد ساری، ابوالوفا ایرانی، رستم کوہی

۹۔ رصدگاہ ابن زرقال — قائم کردہ: مامون شاہ — مقام: طلیطلہ (اندلس)
— ۴۹۸ھ / ۱۰۰۸ء — مشاہدین: ابن زرقال، معتمد ابن عباد وغیرہم

۱۰۔ رصدگاہ سلجوقی — قائم کردہ: ملک شاہ سلجوق — مقام: اصفہان
— ۵۲۸ھ / ۱۰۷۸ء — مشاہدین: عمر خیام، مظفر اسفزاری، میمون بن نجیب واسطی، ابوالعباس کردی، محمد بن احمد معموری، عبدالرحمٰن خازن، ابوالفتح کوشک وغیرہم

۱۱۔ رصدگاہ مراغہ — قائم کردہ: ہلاکو خاں — مقام: مراغہ آذربائیجان
— ۶۵۷ھ / ۱۲۵۹ء — مشاہدین: نصیر الدین طوسی، العرضی دمشقی، یحییٰ بن محمد المغربی، حکیم علی بن عمر الکاتبی، قطب الدین شیرازی وغیرہم

۱۲۔ رصدگاہ ابن الحماد — قائم کردہ: ابن الحماد — مقام: تیونس
— ۶۷۹ھ / ۱۲۳۰ء — مشاہدین: ابوالعیار احمد بن اسحاق تمیمی وغیرہم

۱۳۔ رصدگاہ الغ بیگ — قائم کردہ: امیر الغ بیگ — مقام: سمرقند
— ۸۲۹ھ / ۱۴۸۲ء — مشاہدین: قاضی زادہ رومی، علی بن محمد قوشجی، غیاث الدین جمشید

۱۴۔ رصدگاہ قباد شروانی — قائم کردہ: قباد شروانی — مقام: ایران
— مشاہدین: المغنی، الحکم، المستوفی، العلاقی وغیرہم